ماہنامہ
المرشد

جون 2017ء
رمضان المبارک/شوال 1438ھ

اللہ رسول محمد

عَنْ سَعْدِ بْنِ وَقَّاصٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم خَیْرُ الذِّکْرِ الْخَفِیُّ وَخَیْرُ الرِّزْقِ مَا یَکْفِیْ ۔۔۔ (مسند احمد و ابن حیان)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین ذکر، ذکرِ خفی ہے۔ اور بہترین رزق وہ ہے جس سے ضروریات پوری ہوتی رہیں اور کوئی کام نہ اٹکے۔

رب کو ماننا کیا ہوتا ہے؟ ماننا یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ لطائف میں جان آجائے۔ دل زندہ ہوجائے۔ (صفحہ نمبر:9)

الشیخ مولانا حضرت امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ

تصوف

تصوّف کیا ہے؟

تصوّف زبان سے بیان کرنے کی چیز نہیں۔ یہ عملی کام ہے۔ تصوّف نہ زبان سے بیان کیا جا سکتا ہے، نہ دلائل سے، نہ درس وتدریس سے بلکہ اس کا دارومدار قلب اور قلبی حال پر ہے۔ تصوّف پر بیان کرنے کا مقصد تصوّف کے حصول کے ذرائع بیان کرنا ہے۔ خود تصوّف کو حاصل کرنے کے لیے ذکرِ قلبی اور صحبتِ اولیاء اللہ کی ضرورت ہے۔

یوں تو ہر ایمان والا ایک درجے میں ذاکر ہے۔ کسی نہ کسی درجے میں اس کے دل میں معرفتِ الٰہی موجود ہوتی ہے لیکن مسلمان جب خواہشات میں بے اعتدالی کا شکار ہو جاتا ہے، غیر اللہ میں ہی مشغول رہتا ہے تو اللہ سے اوٹ میں چلا جاتا ہے، غافل ہو جاتا ہے۔ تصوّف وہ عملی کام ہے جس کے ذریعے غفلت دور ہوتی ہے۔ وہ اللہ سے محبت کے قابل ہو جاتا ہے۔ اللہ کی محبت تو ایسی ہے کہ بندے کا کوئی گناہ بھی اسے نقصان نہیں پہنچا سکتا کیونکہ اس کا ہر گناہ اسے ندامت دیتا ہے۔ وہ نادم ہو کر تائب ہوتا ہے۔ اللہ کی مغفرت پا لیتا ہے

تصوّف وہ راستہ ہے جس میں قلبی میلان تبدیل ہوتے ہیں۔ عبادات کے لیے بھوک لگتی ہے نیکی کا رجحان پیدا ہوتا ہے۔ کردار میں پاکیزگی اور معاملات میں انصاف آنے لگتا ہے۔ اس لیے کہ ذکرِ قلبی اور صحبتِ اولیاء انسان کے قلب کو نورِ نبوت کی کرنوں سے روشن کر دیتے ہیں۔ انسان کے اعضاء وجوارح متاثر ہو کر برائی سے نیکی کی طرف سفر کرنے لگتے ہیں۔ قلب میں نفس اور ابلیس کے حملوں سے بچاؤ کی قوت پیدا ہونے لگتی ہے۔ غفلت سے بچاؤ کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ اللہ والوں کے پاس بیٹھنے والوں میں اللہ سے محبت کا جذبہ جوان ہونے لگتا ہے۔ ان کی محبت کی نشانی یہ ہے کہ وہ ذکرِ الٰہی کے حریص ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے جو جس سے محبت کرتا ہے اس کا ذکر بھی زیادہ کرتا ہے۔ یہ لوگ اللہ سے حیا کرتے ہیں۔ اعمال پر کبھی مغرور نہیں ہوتے۔ لوگوں کے ساتھ ہمدردی اور بھلائی ان کا حال ہوتا ہے۔ تصوّف دراصل ایمان اور اس کی کیفیات کو بندے کا حال بنا دیتا ہے اور یہ کام از خود نہیں ہوتا۔ شیخِ کامل کی صحبت اور ذکرِ قلبی اس کے دو اہم جزو ہیں۔

ماہنامہ المرشد

جون 2017ء، رمضان المبارک/شوال 1438ھ

جلد نمبر: 38

شمارہ نمبر: 10

مدیر اعلیٰ: صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان

مدیر: محمد اجمل

نائب مدیر: محمد ادریس خان

معاون مدیرہ: آصفہ اکرم

سرکولیشن منیجر: محمد اسلم شاہد

انچارج ترسیل حسابات: چوہدری محمد اسلم

قیمت فی شمارہ: 40 روپے

بدل اشتراک

پاکستان 450 روپے سالانہ 235 روپے ششماہی

بھارت /سری لنکا /بنگلہ دیش 1200 روپے

مشرق وسطیٰ کے ممالک 100 ریال

برطانیہ یورپ 35 اسٹرلنگ پاؤنڈ

امریکہ 60 امریکن ڈالر

فار ایسٹ اور کینیڈا 60 امریکی ڈالر

سرکولیشن و رابطہ آفس

ماہنامہ المرشد، 17 اویسیہ سوسائٹی روڈ، ٹاؤن شپ، لاہور

Ph: 042-35180381, Cell: 0303-4409395,
Email: monthlyalmurshed@gmail.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خان مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست اعلیٰ الشیخ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان، شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

فہرست

3	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	اسرار التنزیل سے اقتباس
4	صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان	اداریہ
5		طریقہ ذکر
6	سیماب اویسی	کلام شیخ
7	انتخاب	اقوال شیخ
8	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	مقامات سلوک کی اساس
15	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	مسائل السلوک
19	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	اکرم التفاسیر، سورۃ الشوریٰ 44 تا 48
24	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	شرح مشکوٰۃ المصابیح
35	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	سوال و جواب
44	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	لیلۃ القدر
46	ع خان، لاہور	بچوں کا صفحہ
48	حافظہ آمنہ، لاہور	مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ
50	حکیم عبدالماجد اعوان، سرگودھا	طب
54	Ameer Muhammad Akram Awan MZA	Translated Speech
57	Maulana Allah Yar Khan(RAU)	Tassawuf

ناشر: عبدالقدیر اعوان

انتخاب جدید پریس، لاہور 042-36309053

مرکزی دفتر: دارالعرفان ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال

ویب سائٹ سلسلہ عالیہ www.oursheikh.org

Ph:054-3562200, Fax: 054-3562198 Email:daruirfan@gmail.com

ختم خریداری کی اطلاع

○ یہاں اس دائرے میں اگر کراس X کا نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے۔

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے"

اچھوتے انداز اور منفرد طرزِ تحریر کی حامل تفسیر

قرآن حکیم اسرار التنزیل سے اقتباس

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ --- وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾ (سورۃ البقرہ:94-95)

کہ یہود کہتے تھے لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً (سورۃ البقرہ:80) --- وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى (سورۃ البقرہ:111) نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (سورۃ المائدہ:18) تو ان سب دعوؤں کی بنیاد یہ تھی کہ ہم حق پر ہیں مگر حقیقت اس کے برعکس ہے اور محض لوگوں کو دھوکہ دے رہے ہیں ورنہ دل سے جانتے ہیں کہ آپ ﷺ نبیٔ برحق ہیں۔ اگر ایسا نہیں تو آؤ اب تک بات عقل و نقل کی حدود میں رہی، اب ذرا فوق العادت اور معجزانہ طور پر تمہارے دعاوی کو پرکھا جائے کہ اگر تم سچے ہو تو ذرا موت کی تمنا کرو۔

موت کی تمنا کرنا یا نہ کرنا، یا کن حالات میں جائز ہے اور کن میں نہیں، یہ دوسرا مسئلہ ہے۔ یہاں اس سے بحث نہیں، یہاں مقصد اس بات سے ہے کہ ان یہود کو جو آپ کی مخالفت پر کمر بستہ ہیں آپ ﷺ کی نبوت کا اس قدر یقین ہے کہ اُن کے دل کہتے ہیں کہ اگر ہم نے کہہ دیا کہ آپ کے مقابلے میں ہم سچے نہ ہوں تو ہمیں موت آجائے، یقیناً موت آجائے گی۔ لہٰذا یہ اعلان کر دیا کہ کبھی ایسی تمنا نہ کریں گے، کہ یہ بدکار ہیں اور بہت بڑے ظالم کہ حق کو باطل اور باطل کو حق ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اللہ ایسے ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

یہاں سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ گناہ گار پر ایک انجانا سا خوف، ایک خفیہ سی پریشانی جو مسلط رہتی ہے وہ وہی زندگی کے خاتمے کا کھٹکا اور موت کی ہیبت ہے اور نیک اور صالح انسانوں کے دلوں میں طمانیت اور سکون کی بنیاد بھی اُخروی آرام کی توقع ہے۔ یہ بات ایک طرح سے مباہلہ سے مشابہت رکھتی ہے اور یہود یہ بھی نہ کہہ سکے کہ ہمیں موت آجائے۔

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ --- وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ (البقرہ:96)

حدیث شریف میں وارد ہے کہ اگر کہہ گزرتے تو دنیا پر کوئی یہودی نہ رہتا بلکہ اپنے ہی لعاب دہن سے گلے گھٹ کر مر جاتے۔

کہ آپ اُن کو دوسروں سے بھی زیادہ زندگی پر حریص پائیں گے۔ حتیٰ کہ مشرکین سے بھی جن کا آخرت پر ایمان ہی نہیں یا کفار جو آخرت کو مانتے ہی نہیں ان کے نزدیک صرف یہی دنیا ہے، ان کی حرص تو لازمی چیز ہے مگر یہ جو ایمان کے مدعی اور آخرت کے قائل ہیں یہ حرص دُنیا میں اُن سے بھی بازی لے گئے۔ ان میں کا ہر فرد چاہتا ہے کہ کاش ہزاروں برس جیتا ہی رہے۔

تو پتہ چلا کہ اپنے آپ کو اُخروی نعمتوں کا مستحق جاننے کا دعویٰ نرا دعویٰ ہی ہے اور جب یہ بات ہے تو طویل عمر اگر نصیب بھی ہو جائے تو یہ اللہ کے عذاب سے بچانے کا سبب تو نہیں بن سکتا بلکہ کفر کے ساتھ طویل عمر، الٹا عذاب کو بڑھانے کا ذریعہ ہوگی کہ نجات کا مدار تو ایمان پر ہے اور یہ اُن کے دعویٰ اور اُن کے کرتوت اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے۔ یہ ایسے ظالم ہیں کہ دل سے حق کو حق جانتے ہیں مگر مانتے نہیں۔

اداریہ

شہرِ رمضان

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ ۔۔۔(2:185)

یہ ماہِ مبارک رمضان کا وہ بابرکت اور عظیم مہینہ ہے جس میں اللہ کریم نے عالمِ انسانیت کو اپنے ذاتی کلام سے سرفراز فرمانے کی ابتداء فرمائی۔ اگرچہ نزولِ وحی تیئس برسوں پہ محیط ہے مگر اس کی ابتدا اس ماہ مبارک میں فرمائی گئی اور اس کی برکات اس کے نور اور اس کی کیفیات سمونے کے لیے بندۂ مومن کو ملکوتی اوصاف کے حصول کی سعی کرنے کا حکم دیا گیا یعنی نہ کھانا نہ پینا۔ اگرچہ ایک خاص وقت یعنی سحری سے ایک خاص وقت یعنی افطاری تک ہے۔ مگر کھانا نہ پینا تو فرشتہ کی صفت ہے تو ایک مخصوص وقت میں بندۂ مومن کو اس جیسا ہونے کا حکم دیا گیا پھر اس کے ساتھ پوری طرح سے ہر حالت میں اور ہر عضو سے شریعت پر عمل کا ارشاد ہوا۔ زبان سے غلط کلمہ نہ نکلے یہاں تک ایک حدیثِ پاک کا مفہوم ہے کہ روزہ میں اگر کوئی تمہیں گالی دے تو اسے کہو میرا روزہ ہے یعنی میں جواب میں تجھے بھلا برا نہیں کہہ سکتا، آنکھ کسی ناروا عمل کو نہ دیکھے، کان کوئی غلط بات نہ سن پائیں، ہاتھ پاؤں کسی غلط حرکت کے مرتکب نہ ہوں حتی کہ دل و دماغ کچھ غلط نہ سوچیں۔ تو اس ماہِ مبارک میں وہ پاکیزگی اور قلبی طہارت نصیب ہو کہ انسان قرآن پاک کے نور کو دل میں سمو سکے اور اس کی کیفیات کو قلب سے قالب تک جاری و ساری کر سکے۔ زمین پر اللہ کریم کا بندہ بصورتِ شمع تجلیاتِ باری سے روشن ہو اور روشنیاں بانٹنے والا بن جائے جو معاشرے کو عدل، انصاف، امن اور سکون مہیا کرنے کا سبب ہو۔ یہ اس کا احسان ہے کہ یہ ماہِ مبارک ہر سال آتا ہے اور اسی آب و تاب اور انہی کمالات کے ساتھ آتا ہے جو روزِ اول سے اس کی خصوصیات ہیں۔ اب بندۂ مومن کے ذمے ہے کہ کسقدر نور حاصل کر پاتا ہے اور اللہ کی زمین کو کسقدر امن و سکون بانٹنے کا سبب بنتا ہے۔ اللہ کریم تمام مسلمانوں کو اس کی سمجھ، شعور اور مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان

ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ بندے کو اپنے کچھ نہ ہونے اور اللہ کے سب کچھ ہونے کا احساس ہو جائے۔ ذات باری کے معاملے میں اپنے نہ ہونے کا ادراک ہو جائے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں سب کچھ وہ ہے۔

طریقۂ ذکر

ذکر شروع کرنے سے پہلے یہ تسبیحات پڑھیں: سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ○ اَسْتَغْفِرُ اللهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ ○ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ○ اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ پھر ذکر شروع کر دیں طریقہ نیچے درج ہے۔

پہلا لطیفہ: بکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمد و رفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ قلب پر لگے۔ دوسرے لطیفے کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح تیسرے، چوتھے اور پانچویں لطیفے کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اللہ دل میں اترے اور خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ اس لطیفہ پر لگے جو کیا جا رہا ہو۔

دیئے گئے نقشے میں انسان کے سینے، ماتھے اور جسم پر لطائف کے مقامات بتائے گئے ہیں جن کا خیال کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔

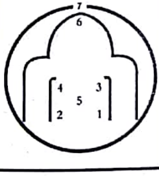

چھٹا لطیفہ: ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتواں لطیفہ: ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ: لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے۔ کہ رابطہ کے لئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پر لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' قلب کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ عرش عظیم سے جا ٹکرائے۔ ذکر کے بعد دعا مانگیں اور آخر میں شجرہ سلسلہ عالیہ پڑھیں جو اگلے صفحہ پر درج ہے۔

شجرہ مبارک

سلسلۂ نقشبندیہ اویسیہ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ O

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O

الٰہی بحرمتِ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الٰہی بحرمتِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

الٰہی بحرمتِ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت داوٗد طائی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ ابوایوب حضرت محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ سلطان العارفین حضرت خواجہ اللہ دین مدنی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ قلزم فیوضات حضرت العلّام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ ختم خواجگان خاتمہٗ مَن وخاتمہٗ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہٗ العالی بخیر گردان

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

کلامِ شیخ

شیخ المکرم شاعری فرماتے ہیں ان کے دو تخلص ہیں سیمابؔ اور فقیرؔ۔ شعری مجموعے درج ذیل ہیں۔

- گردِ سفر
- متاعِ فقیر
- آس جزیرہ
- کون سی ایسی بات ہوئی ہے
- دل دروازہ
- نشانِ منزل
- موجِ سمندر
- دیدۂ تر

نعت

(منتخب اشعار)

مطلعِ انوار ہے شہرِ مدینہ دیکھ لو
سبز گنبد کا جڑا اس میں نگینہ دیکھ لو

بٹ رہی ہیں رحمتیں سارے جہانوں کے لیے
مرغِ دل تڑپے سدا ان آشیانوں کے لیے

عاصی و بدکار بھی راہ پاگئے در پر تیرے
کیا عجب رحمت کے موتی بَج گئے در پر تیرے

بن رہا تھا یہ جہاں جنگل درندوں کا حضورؐ
آپؐ نے بانٹا بنی آدم میں پھر اُلفت کا نور

وہی بندے جو جہاں میں اپنے رب سے دور تھے
وہی بندے بن گئے روشن منارے نور کے

ہو کرم سیمابؔ پر بھٹکا ہے عصیاں میں غریب
دل ہو روشن نور سے دیدارِ باری ہو نصیب

(حمد و نعت سے ماخوذ)

اقوالِ شیخ

1۔ دین کو دین سمجھ کر کیا جائے اور دل میں قربِ الٰہی کی جستجو پیدا ہو جائے اور اس میں جان ہو، وہ سچی ہو تو اللہ کریم راستے سہل فرما دیتے ہیں۔

(المرشد، فروری 2017ء، ص:38)

2۔ اللہ کی ذات، اللہ کا علم ہر لمحے موجود ہے اور اس کی کیفیت اللہ کی شان کے مطابق ہے یعنی کیفیت کے بارے کوئی نہیں جان سکتا۔

(اکرم التفاسیر، پارہ 16، ص:31)

3۔ انسان فطرۃً کسی کی غلامی پسند نہیں کرتا اور اسلام اسی کا حکم دیتا ہے کہ ہر انسان صرف اللہ کا بندہ بنے، بندوں کا نہیں۔

(اسرار التنزیل، جلد:5، ص:120)

4۔ یاد رکھو! جو اپنے آپ کو اتباعِ سنت میں ڈھال لیتا ہے دنیا پہ آگ بھی برس رہی ہو تو وہ پُرسکون رہتا ہے۔

(نقوشِ حق، ص:142)

5۔ جب دل تباہ ہوتے ہیں تو پھر دل میں از خود اللہ کی تائید یا اللہ کے دیئے ہوئے نور سے دیکھنے اور سننے کی طاقت ختم ہو جاتی ہے، پھر وہ شیطان کی آنکھوں سے دیکھتا ہے شیطان کے کانوں سے سنتا ہے۔

(کنز الطالبین، ص:43)

6۔ ہم دوسروں کو رسوا کرنے کے لیے فتوے صادر کرتے اور لوگوں کو مساجد میں لڑاتے ہیں۔ یہ نہ اسلام ہے اور نہ اسلام کی کوئی خدمت۔

(غبارِ راہ، ص:167)

7۔ اصل لباس تو کردار ہے جس سے اللہ کی عظمت کا اظہار ہوتا ہو، صرف رنگ برنگے اور قیمتی کپڑوں سے جسم کو ڈھانپنا ہی لباس نہیں۔

(اسرار التنزیل، جلد:2، ص:354)

8۔ اللہ کی توحید کا عقیدہ اور اس کی عبادت بھی ایک پُرسکون معاشرے میں ہی نصیب ہو سکتی ہے۔ اس لیے معاشرے میں انصاف اور امن کا قیام ہی دین کی اساس اور بنیاد ہے۔

(اسرار التنزیل، جلد:2، ص:180)

9۔ ہماری کمزوری ہے کہ ہم دین کو شعبوں میں بانٹ لیتے ہیں اور ایک ہی شعبے کو دین سمجھ لیتے ہیں کہ یہی دین ہے۔

(نقوشِ حق، ص:76)

10۔ اہل اللہ کو اس لیے صاحبِ حال کہتے ہیں کہ وہ حالات پر حاوی ہوتے ہیں۔ (نقوشِ حق، ص:378)

بیان 12 پریل 2017ء

مقاماتِ سلوک کی اساس

الشیخ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْ مِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ ط وَ نَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ط اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

فَاُلْقِیَ السَّحَرَۃُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ ھٰرُوْنَ وَمُوْسٰی ۝ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَہٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَکُمْ ؕ اِنَّہٗ لَکَبِیْرُکُمُ الَّذِیْ عَلَّمَکُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّکُمْ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۫ وَلَتَعْلَمُنَّ اَیُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰی ۝ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَکَ عَلٰی مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالَّذِیْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِیْ ھٰذِہِ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا ۝ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِیَغْفِرَ لَنَا خَطٰیٰنَا وَمَآ اَکْرَھْتَنَا عَلَیْہِ مِنَ السِّحْرِ ؕ وَاللّٰہُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی ۝ اِنَّہٗ مَنْ یَّاْتِ رَبَّہٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَہٗ جَھَنَّمَ ؕ لَا یَمُوْتُ فِیْھَا وَلَا یَحْیٰی ۝ وَمَنْ یَّاْتِہٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِکَ لَھُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰی ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ؕ وَذٰلِکَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَکّٰی ۝

(سورۃ طٰہٰ: 70-76)

اس رب کریم نے انسان میں بہت عجیب وغریب نعمت رکھی ہے وہ ہے لطیفہ رُبانی قلب، حضرت مجدد الف ثانیؒ مکتوبات میں تحریر فرماتے ہیں کہ انسان پانچ نہیں دس اجزاء کا مجموعہ ہے مٹی، ہوا، آگ، پانی اور ان کے ملنے سے نفس بنا پانچ تو یہ ہیں، لیکن پانچ لطائف ربانی ہر پیدا ہونے والے انسان کے سینے میں موجود ہوتے ہیں، قلب، روح، سری، خفی، اخفاء۔ اب یہ الگ بات کہ وہ انہیں سنبھال سکتا ہے یا نہیں، ضائع کرتا ہے یا ان میں اور قوت پیدا کرتا ہے اور بندہ اسی بات کا مکلف ہے۔ اللہ ایسے کریم ہیں کہ کوئی کفر میں بھی چلا جائے، موت آنے سے پہلے یہ استعداد سلب نہیں فرماتے۔ کافر ہو، مشرک ہو، توبہ کرے، رجوع الی اللہ کرے تو یہ لطائف پھر زندہ ہوجاتے ہیں، جیسے سونے میں ہزاروں کھوٹ مل جائیں، اسے زمین میں دفن کردو، اسے مٹی میں دفن کردو، اسے کہیں ملا دو پھر اسے جرح دو تو سونا، سونا ہی ہوگا پھر تازہ ہوجائے گا۔ اس طرح کافر بھی توبہ کرے تو یہ لطائف روشن ہوجاتے ہیں۔

ان کی زندگی کی دلیل کیا ہے؟ بندے کو خود پتا ہونا چاہیے۔ ایک تو دعویٰ ہوتا ہے۔ ہم دعویٰ تو کر لیتے ہیں، میرے اتنے منازل، اتنے مقامات ہیں۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ میرے لطائف میں بھی جان ہے کہ نہیں۔ بنیاد بھی ہے کہ نہیں؟ عمارت کا تو میں دعویٰ کرتا ہوں، میری دس منزل ہے۔ کیا اس کی بنیاد بھی ہے یا ہوا میں ہے؟ فرعون اور اس کی قوم بدترین لوگ تھے۔ اللہ کریم نے ان کا نتیجہ جو قیامت میں ہوگا وہ اس دنیا میں بتادیا۔ قرآن میں نازل فرمادیا: یَقْدُمُ قَوْمَہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فَاَوْرَدَھُمُ النَّارَ ؕ (ھود: 98) اپنی قوم کی قیادت کرتا ہوا انہیں دوزخ میں لے جائے گا۔ برزخ میں ان کا کیا حال ہے قرآن کہتا ہے۔ اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْھَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا ۚ (مومن: 46) صبح شام ان پر جہنم کی تازہ آگ بھیجی جاتی ہے۔ آج کل تو کچھ لوگوں کو برزخ کے عذاب وثواب سے بھی انکار ہے، یہ ضروریات دین میں سے ہے

اور اس کا انکار کفر ہے۔ تمام متقدمین علماء اس پہ متفق ہیں اور جب قرآنِ کریم کہہ رہا ہے کہ برزخ میں ان پر روز صبح شام جہنم کی تازہ آگ بھیجی جاتی ہے تو اس کا انکار تو کفر ہوگا۔

ہمارا یہ عہد عجیب عہد ہے، کوئی برائی شروع کردو کوئی بندہ دلیل نہیں پوچھتا۔ کوئی رسم ایجاد کردو، ساتھ مل جائیں گے۔ نیکی کی بات کرو، ہر بندہ دلیل پوچھتا ہے۔ یہ اس عہد کی سب سے بڑی مصیبت ہے۔ یہ لطائف ربانی ہیں، ان میں کیا استعداد ہے؟ اس قصے میں قرآنِ کریم بتاتا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے عصا پھینکا تو وہ اتنا بڑا اژدھا بنا کہ جتنی انہوں نے لاٹھیاں، رسے، سانپ بنائے تھے سب کو نگل گیا اور موسیٰ علیہ السلام نے پکڑا تو وہ وہی لاٹھی تھی، کوئی اس کا جسم بڑھا اور نہ کم ہوا۔ وہی تھی، تو جادوگر توبہ کر گئے۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ جادوگروں کو یہ سمجھ آئی کہ جادو کا توڑ یہ ہوتا ہے کہ جادو کو ختم کردیا جاتا ہے۔ تو پھر جادو اگر موسیٰؑ ختم کردیتے تو لوگوں کو لاٹھیاں اور گیلیاں، وہ رسیاں ویسی ہی نظر آتیں جادو کا اثر ختم ہوجاتا لیکن وہ تو سرے سے [illegible] ہوگئیں۔ وہ لاٹھی اژدھا بن کر کھا گئی اور پھر جب انہوں نے پکڑی تو لاٹھی اتنی ہی تھی۔ جادوگروں نے کہا، یہ جادو نہیں، یہ معجزہ ہے کیونکہ وہ جادو کو جانتے تھے انہوں نے توبہ کرلی۔ خوش نصیب تھے، بدترین قوم میں سے بدترین لوگوں میں سے تھے لیکن اس کی رحمت کتنی وسیع ہے، توبہ کرکے اللہ نے اسی وقت قبول کرلیا، لیکن ان کی توبہ کا انداز کیا تھا؟ فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا ۔۔۔ وہ سجدے میں گر گئے، بارِ الٰہا! ہم نے ظلم کیا، تیرے نبیؑ کے مقابل آئے، عمر جادو میں ضائع کردی، ہمیں معاف کردے۔ قَالُوٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ۔۔۔ ہم موسیٰؑ اور ہارونؑ کے پروردگار پر ایمان لائے، مان لیا۔ رب کو ماننا کیا ہوتا ہے؟ ماننا یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ لطائف میں جان آجائے۔ دل زندہ ہوجائے۔ فرعون بڑا روٹھا، بڑا ناراض ہوا، ان جادوگروں پر تو ہمارا سارا دارومدار تھا، یہ ہی کلمہ پڑھ گئے تو ہمارے پلے کیا رہا! کہنے لگا: قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۔۔۔ میری اجازت سے پہلے تم ایمان لے آئے؟ سیاسی آدمی تھا۔ بادشاہ تھا۔ سیاستدانوں کے بڑے بہانے اور چالیں ہوتی ہیں۔ وہ کہنے لگا اب سمجھا۔ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۔۔۔ تم اندر سے موسیٰؑ سے ملے ہوئے تھے۔ یہ تمہارا استاد ہے اسی نے تم کو جادو سکھایا ہے۔ لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے، پبلک کو اپنے ساتھ رکھنے کے لیے کیسی بات نکالی! اب پتا چلا تم تو ایک ہی ہو۔ یہ تو تمہارے استاد ہیں، یہ بھی جادوگر ہیں، تم نے ان ہی سے جادو سیکھا تو ان ہی سے ملنا تھا! فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ۔۔۔ میں تمہارا ایک طرف کا بازو دوسری طرف کی ٹانگ کاٹ دوں گا۔ ایک ہاتھ کاٹ دوں گا دوسرا پاؤں کاٹ دوں گا۔ وَلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۔۔۔ اور تم سب کو کھجوروں کے ساتھ سولی دے دوں گا، لٹکادوں گا، پھانسی پہ لٹکادوں گا۔ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ۔۔۔ اور پھر تمہیں سمجھ آئے گی کہ ہم میں سے کون سخت عذاب دیتا ہے اور خود باقی رہتا ہے دوسرے کو فنا کردیتا ہے۔ وہ سولی اس طرح نہیں دیتے تھے جیسے آج مجرموں کو پھانسی دیتے ہیں۔ یہ تو لمحے میں مرجاتا ہے، وہ درخت سے لٹکا دیتے تھے، بندہ سسک سسک کر دو دن، تین دن، چار دن بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر لٹکتا ہوا مرتا رہتا تھا۔

جادوگروں نے جواب دیا: قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا ۔۔۔ انہوں نے کہا کہ اب تیری باتیں ہم پر اثر نہیں کرتیں، تجھے ہم کوئی اہمیت نہیں دیتے، تیری باتوں کی کیا ضرورت؟ جب ہم نے اپنی آنکھوں سے دلائل دیکھ لیے پھر تیری باتوں میں کیا جان رہ گئی؟ ہمیں تیری باتوں کی کوئی پرواہ نہیں ہے ہمیں جس نے پیدا کیا اس کی عظمت کی دلیل ہم نے دیکھ لی۔ فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۔۔۔ جو کرسکتا ہے وہ کرلے لیکن یاد رکھ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۔۔۔ تیرا اختیار وقتی اور عارضی ہے۔ اس دنیوی زندگی میں تو دکھ دے سکتا ہے، تکلیف دے سکتا ہے، وقتی طور پر بازو کاٹ دے گا، پاؤں کاٹ دے گا، ہاتھ کاٹ دے گا، پھانسی دے دے گا، لیکن بات یہاں ختم نہیں ہوتی۔ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا ۔۔۔ ہم نے اپنے پروردگار کو مانا ہے۔ بھئی تیرا اختیار تو یہاں تک ہے، کل تجھے

موت آئے گی، تیرا اختیار بھی ختم ہو جائے گا۔ ہم نے تو اس کو مانا ہے جو موت وحیات کا بھی خالق ہے، ہمارا بھی پروردگار ہے، ہمیں پیدا کیا ہے۔ اس زندگی میں بھی ہمیں موت دے گا، آگے پھر زندگی ہے اور ہم نے اس لیے مانا ہے لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا ۔۔۔ ہم نے بڑی برائیاں کی ہیں، ہم نے بڑے جرم کیے زندگی تباہ کر دی لیکن ہم نے اسے مان لیا ہے کہ وہ ہماری خطائیں معاف کر دے گا، وہ بڑا کریم ہے، ہم ہی محروم تھے، وہ بہت کریم ہے اور خاص کر اس برائی کی ہم بڑی توبہ کرتے ہیں۔ وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۔۔۔ ہمیں پکڑ کر جادو ہم سے کرایا، اس کے نبیؑ کے سامنے کھڑا کر دیا، یہ بہت بڑا ظلم تھا، ہم اس سے خاص طور پر توبہ کرتے ہیں۔ تو ہمیں مجبور کر کے لایا، ہم تیرے حکم کے تابع اللہ کے رسولؑ کے سامنے کھڑے ہو گئے، یہ بہت بڑا جرم ہے زندگی گناہوں سے بھری ہے لیکن یہ ایک گناہ ان سب پر بھاری ہے۔

پھر آگے اسے وعظ کرتے ہیں۔ موت کے کنارے کھڑے ہیں۔ میدان میں آنے تک جادوگر تھے۔ اژدھا بنانے سے پہلے ان کی موسیٰؑ سے اتنی بات ہوئی احتراماً، وہ جادوگر ہی سمجھتے تھے لیکن سمجھتے تھے جادوگر بہت بڑا ہے جس نے فرعون کو مصیبت ڈال دی تو احتراماً انہوں نے پوچھ لیا کہ آپ پہلے اپنا عصا ڈالیں گے یا ہمیں اجازت ہے؟ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ یہ ادب ہی انہیں توبہ کی طرف لے گیا۔ اللہ کو قبول ہو گیا۔ فرمایا اگر کافر بھی نبیؑ کا ادب کرتا ہے تو ایمان نصیب ہو جاتا ہے۔ مومن ادب کرے تو کیا کچھ پا لے۔ اس بارگاہ میں ادب ہی ادب ہے۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ یہی ایک سبب نظر آتا ہے کہ انہوں نے ادب کیا۔ موسیٰؑ نے فرمایا پہل تم کرو۔ بس یہ بات تھی۔ اگلی بات انہیں کسی نے نہیں بتائی کہ موت کے بعد کیا ہوتا ہے لیکن اب وہ فرعون کو وعظ کر رہے ہیں۔ اسے کہتے ہیں۔ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ۔۔۔ فرعون! تو بھی توبہ کر لے اس لیے کہ اللہ کے پاس جو گناہ لے کے، جرم لے کے آتا ہے، اس کے لیے جہنم بھڑک رہا ہے، بڑا سخت ہے دوزخ! لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۔۔۔ اس میں موت تو آئے گی نہیں زندگی کا بھی کوئی تصور نہیں، آگ پینے کو بھی، آگ اوڑھنے کو، آگ بچھانے کو، آگ کا لباس، آگ کھانا، آگ پینا، ہر طرف سخت آگ، زندگی کا کوئی تصور نہیں۔ آئے گی موت بھی نہیں! وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا ۔۔۔ اور جو ایمان کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں پہنچا۔ اب ایمان کی شرح بھی بتا دی۔ قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ ۔۔۔ کہ ایمان صرف دعویٰ نہیں ہے، ایمان نام ہے نیک اعمال کا۔ یہ عالم ہو گئے، پوری فقہ انہیں یاد ہو گئی، پوری تفسیر یاد ہو گئی۔ اتنا علم کہاں سے آ گیا؟ جو ایمان کے ساتھ آیا اور جس نے نیک کام کیے، ایمان کیا ہے؟ عملِ صالح کا نام ہے۔ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ۔۔۔ ان کے لیے بہت بلند درجات ہوں گے بہت بلند مقامات ہوں گے۔ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۔۔۔ ہمیشہ رہنے والے خوبصورت باغ جن میں نہریں جاری ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ۔۔۔ اور جو شخص بھی پاک ہو کر پاکیزگی اختیار کر کے دنیا سے جائے گا یہ ہی اس کا انعام ہے۔

میں عرض یہ کرنا چاہتا ہوں کہ یہ لطیفہ قلب کیا عجیب چیز ہے! جب انہوں نے توبہ کی، موسیٰؑ پر ایمان لائے تو علومِ نبوت ان کے دل میں بھر گئے۔ انہیں کسی نے زبانی بتایا نہیں، پڑھایا نہیں، قرآنِ کریم کہیں نہیں بتاتا کہ اس کے بعد موسیٰؑ نے انہیں تبلیغ کی۔ فرعون ان کے درپے ہو گیا تو انہوں نے کہا ٹھہر جا! تیری خدائی چند روز کی ہے۔ ہم اس پروردگار کے پاس جا رہے ہیں جس کی خدائی ہمیشہ ہے۔ تُو تو مر کے خود پھنس جائے گا اور تُو مرے گا تو دیکھ آگے جہنم ہے۔ اس میں یہ عذاب ہیں۔ انہوں نے دربار میں کھڑے کھڑے دوزخ جنت کا نقشہ کھینچ دیا گویا وہ اسے دیکھ دیکھ کر بتا رہے ہیں، یعنی لطیفہ قلب جب زندہ ہوتا ہے تو شیخ کے علوم اس میں آ جاتے ہیں۔ یہ دلیل ہوتی ہے کہ لطیفہ زندہ ہو گیا۔ یہ تو بیچارے جادوگر تھے، موسیٰؑ کا مقابلہ! اس سے بڑا بھی کوئی گناہ ہے؟

وہ کریم ہے، لوگ تلواریں لے کر محمد رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں نکلے۔ بدر میں قیدی ہوئے۔ احد میں آئے، لڑے۔ احد میں جب دوبارہ حملہ ہوا جس میں مسلمان شہید ہوئے اور حضور ﷺ زخمی ہوئے

اس کا سرغنہ حضرت خالدؓ تھے لیکن جب توبہ کی تو اللہ نے خالد سیف اللہؓ بنادیا۔ ایک سو اٹھائیس جنگوں میں شرکت کی اور ہر لڑائی فتح کی۔ ان کے وجود کا کوئی حصہ ایسا نہیں تھا جو زخموں سے خالی ہو۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا یہ اللہ کی تلوار ہے۔ میں نے، آپ نے ان کا نام نہیں رکھا۔ اللہ کتنا کریم ہے! یہ ہمارے لطائف روشن کیوں نہیں ہوتے؟ میاں! یہاں پک کرنا پڑتا ہے، عارضی یاری نہیں ہوتی۔ یقین محکم نصیب ہو تب جا کر لطائف روشن ہوتے ہیں، انہوں نے جب مانا تو مان لیا، پھر یہ بات درمیان میں نہیں آئی کہ فلاں یہ کہتا ہے۔ فلاں کی مرضی ہے جو کہے، ہم اپنی زندگی کے ذمہ دار ہیں، فلاں تو نہیں ہے۔

ربِ کریم نے یہ ترتیب بنادی ہے۔ انسانی زندگی کی ایک ترتیب ہے، خاک میں ملا ہوا ہے۔ خوراک بنتا ہے والدین کا جزوِ بدن بنتا ہے۔ پھر ملنے سے ایک نطفے کی شکل، پھر خون کی پھٹکی، پھر گوشت کا ٹکڑا، پھر اس میں ہڈیاں، پھر ان پہ کھال چڑھتی ہے، پھر بچہ بنتا ہے، پھر اس کے کھانے کا انتظام، خون پیتا ہے۔ خون تو حرام ہے اس کی غذا تو ماں کا خون ہی ہے وہ کیسا کریم ہے کہ اسے منہ سے غذا نہیں دیتا، حرام نہیں کھلاتا، اس کے پیٹ میں نالی لگا دیتا ہے۔ خود دنیا میں آکر حرام کھاتا رہے وہ اسے ماں کے پیٹ میں حرام نہیں کھلاتا۔ خود آجائے، دنیا میں پھر رشوت لے، چوری کرے، ڈاکے کرے، حرام کھائے اس کی مرضی، وہ ایسا کریم ہے کہ ماں کے پیٹ میں نالی لگا دیتا ہے کہ خون اس کے منہ میں نہ جائے حرام نہ کھائے۔ پھر بچہ ہوتا ہے، لڑکا ہوتا ہے، جوان ہوتا ہے، بڑھاپا آجاتا ہے، پھر لوٹ کر بچپن میں آجاتا ہے، لڑتا جھگڑتا قبر میں چلا جاتا ہے۔ یہ دنیا کا نظام ہے۔

جو نظام رب العالمین نے دل کا بنایا ہے اس میں بڑھاپا نہیں ہے، کمزوری نہیں ہے، وہ جوان تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس کا ماحول جنت کا سا ہے۔ جنت میں بڑھاپا نہیں ہوگا۔ لطیفہ قلب ہے اس دل میں جو پمپنگ مشین ہے۔ اب تو سائنس بھی اسے مانتی ہے اور اسے انگریزی میں Subtle Heart کہتے ہیں۔ یہ جب طے کر لیتا ہے۔ بندہ چن لیتا ہے کہ میں نے برکات حاصل کرنی ہیں تو پھر اسے یکسو ہونا چاہئے۔ کم از کم ان جادوگروں جتنی تو یکسوئی کرے۔ ہم درمیان میں رہتے ہیں۔ یہ بھی نہیں بھی۔ لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ بھئی لوگوں کو چھوڑ و یار، تمہارا معاملہ اپنا ہے۔ تمہیں اعتراض ہے تو چھوڑ دو، نہیں ہے تو جم جاؤ۔ یہاں تو معاملہ ہی الٹا ہے۔ ساتھی مجھے تلقین کرتے ہیں آپ توجہ فرمائیں۔ کل بھی ایک کہہ رہا تھا میں نے کہا مجھے معاف کرو۔ مجھے ہدایت کرتے ہیں کہ آپ توجہ کریں۔ میں نے پوچھا تم ذکر باقاعدگی سے کرتے ہو؟ کہتا ہے، نہیں، وقت نہیں ملتا۔ تو پھر میں کیا کروں، تمہاری جگہ میں کیا کروں؟ عجیب بات ہے۔ آج وقت نہیں ملتا کل تمہیں کوئی کرنے نہیں دے گا۔ آج تمہارے پاس فرصت نہیں ہے۔ کل وہ فرمائیں گے اب ہم تمہیں فرصت دیتے نہیں ہیں۔ سارے کام ہوتے ہیں۔ چار وقت کھانا کھاتے ہو، ناشتے کرتے ہو، چائے پیتے ہو، آدھا گھنٹہ صبح، آدھا گھنٹہ شام ذکر کے لیے نہیں نکال سکتے؟ گپیں لگا لیتے ہو، ٹی وی دیکھ لیتے ہو، فلمیں دیکھ لیتے ہو، دنیا کے سارے کام کر لیتے ہو، یہ کیا مشکل ہے کہ پندرہ منٹ نماز کے لیے نہیں ملتے؟ باقی سارے کام ہو جاتے ہیں، جی نمازیں رہ جاتی ہیں۔ اس لیے رہ جاتی ہیں کہ تمہارے دل ایمان نہیں لائے۔ زبان پر ایمان ہے دل میں نہیں ہے، یہ مرنے کے بعد منکشف ہوگا۔ دل میں ہوتا، تمہیں اللہ کے حضور کھڑا کر دیتا۔ تمہاری یہ جرأت ہے کہ تم ایک دفتر سے پندرہ منٹ غیر حاضری نہیں کر سکتے، بارگاہ الٰہی کے لیے کیسے کہتے ہو میرے پاس وقت نہیں ہے؟ تم ہو کیا، تمہاری حیثیت کیا ہے کہ تمہارے پاس اللہ کے حضور حاضر ہونے کے لیے وقت نہیں ہے؟ اس کا نام لینے کی فرصت نہیں ہے۔

جب یہ روشن ہوتا ہے۔ روشن خلوص سے ہوتا ہے۔ زور لگانے سے نہیں۔ یہ جو ہم زور لگاتے ہیں، محنت کرتے ہیں یہ تو ایک ظاہری Exercise ہے۔ اصل قوت اس کی یقین ہے۔ جادوگروں نے کوئی لطائف کیے تھے؟ علومِ نبوت سے سینہ بھر گیا۔ انہیں بتایا ہی کسی نے نہیں کہ لطائف کیا ہوتے ہیں، کہاں ہوتے ہیں؟ یقین اس درجے کا تھا کہ علومِ نبوت سینے میں آگئے۔ یہ جب روشن ہوتا ہے تو آگے بڑھتا ہے،

پھر وہ روشنی روح تک جاتی ہے، روح سیراب ہوتی ہے دوسرا لطیفہ بھڑکنے لگتا ہے۔ توجہ الی اللہ نصیب ہو، خلوص ہو، یقین محکم ہو۔ گھڑا تب بہتا ہے جب بھر جائے برتن بھر جائے، خالی برتن سے تو کچھ نہیں نکلتا۔ جب وہ لبریز ہوکر بہتا ہے تو بات آگے چلی جاتی ہے سرگوشیوں تک۔ سری، راز کی باتیں ہونے لگتی ہیں، تعلق ہوتا ہے۔ ایک ظاہری تعلق ہے جہاں مل گئے السلام علیکم، مصافحہ کرلیا وعلیکم السلام۔ ایک تعلق اس سے زیادہ ہے، جہاں مل گئے، مصافحہ کرلیا۔ گلے مل لیا، جہاں تعلق اور گہرا ہو وہ جہاں مل گیا، کہا یار! الگ ہوکر لوگوں سے الگ ہوکر بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ جاؤ یہ سری ہے یعنی پوشیدہ۔

تعلق بڑھ گیا السلام علیکم سے جپھی تک گیا، لطیفۂ روح ہو گیا۔ پھر روح سے سری تک گیا۔ جب سری مکمل ہوتا ہے، بھرتا ہے تو بات خفی تک چلی جاتی ہے اور پوشیدہ اور اندر کی باتیں اپنے دل کی باتیں، دل کے حال، دکھ سکھ بانٹنے پڑتے ہیں۔ خفی یعنی جو گھر والوں سے بھی باتیں چھپائی ہوئی تھیں۔ بیوی بچوں سے چھپائی ہوئی تھیں اندر کے دکھ تھے، اس دوست سے بانٹے جاتے ہیں۔ یار! یہ بھی بات ہے، یہ بھی بات ہے، خفی ہو گیا۔ جب وہ بھی قوت پاتا ہے تو پھر اخفیٰ پر چلا جاتا ہے، اور پوشیدہ تر، مزید پوشیدہ تر، سب سے گہری بات، اخفیٰ۔ قلب پر آدم علیہ السلام کے انوارات آتے ہیں، برکات آتی ہیں اور پہلے آسمان سے آتی ہیں۔ روح پر حضرت نوح علیہ السلام، ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام دو ہستیوں کے انوارات آتے ہیں۔ لطیفۂ روح پر جو انوارات آتے ہیں دوسرے آسمان پر مقام ہے یہ وہاں سے آتے ہیں، انبیاءؑ اولیاء کے مقام متعدد ہیں اور مختلف ہیں۔ ہر شعبے کا ہر مقام سے تعلق ہے، آدم علیہ السلام کے انوارات زرد رنگ کے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد دوسرا لطیفہ ان کا رنگ سنہری ہوتا ہے اس میں سرخی ملی ہوئی ہوتی ہے، سرخی مائل سنہری۔ سرّی پر موسیٰؑ کے انوارات آتے ہیں، تیسرے آسمان سے آتے ہیں، ان کا رنگ سفید ہوتا ہے۔ بات جب خفی تک پہنچتی ہے تو عیسیٰ علیہ السلام کے انوارات آتے ہیں، ان کا نیلا رنگ ہوتا ہے۔ اخفیٰ، سب سے گہری بات دور اندر کی باتیں، اس کے سرتاج ہیں محمد رسول اللہ ﷺ، اب کوئی کہاں جائے، دل کو لے کر کہاں جائے گا تو سب سے بڑا شفاخانہ بارگاہِ رسالت پناہی ہے۔ سب سے بڑی روشنی، سب سے بڑا نور، تمام علوم کے خزانے وہیں ہیں۔ پانچویں آسمان سے انوارات آتے ہیں، گنبد خضریٰ کے رنگ کے ہوتے ہیں، سبز۔ یہ پانچوں زندہ ہو جائیں ان میں جان پڑ جائے تب جا کر نفس پر زد پڑتی ہے، یہ اتنا سخت جان ہے۔ جو کچھ بھی نہیں کرتے کہتے ہیں، نفس مسخر ہو جائے، کیسے ہو جائے؟ ساری عمر نفس کی غلامی کرتے رہتے ہیں، بہانے کرتے رہتے ہیں، اپنے آپ کو دھوکہ دیتے رہتے ہیں، یہ بھی جائز ہے یہ بھی جائز ہے یہ بھی جائز ہے، کچھ کو نفس وہاں لے جاتا ہے کہ چھوڑو یار یہ ملا کی باتیں ہیں، کہاں ہے آخرت، کون پوچھے گا؟ جو ملتا ہے کھالیں۔ یہ پانچ لطائف روشن ہوں تو پھر زد پڑتی ہے نفس پر، پھر وہ مانتا ہے کہ اللہ ہے۔ جب نفس بات مان جائے تو پھر سلطان الاذکار، جسم کا ذرہ ذرہ اللہ، اللہ کرنے لگ جاتا ہے، ہر ذرے سے اللہ ھو نکلتی ہے۔ دس کھرب تو سیل ہیں نا!، ایک انسانی وجود میں دس کھرب سیل ہیں لیکن سیل بھی واحد چیز نہیں ہے۔ آگے سیل میں ایک جہان ہے، سیل کے اندر ایک جہان آباد ہے۔ گویا دس کھرب جہان آباد ہیں ایک وجود میں، ان سب میں سے پھر اللہ ھو کی صدا آتی ہے۔ ایک سانس میں پتا نہیں کتنی مرتبہ اللہ کا نام لے لیتا ہے۔ وہ حساب اللہ ہی جانے۔ اس سب میں ترتیب ہے، تعلق ہے، رشتہ ہے جب ہر ذرہ اللہ اللہ کرنے لگتا ہے تو پھر اس درجے پر پہنچتا ہے کہ اسے رابطہ کرایا جائے۔ شیخِ کامل توجہ کرتا ہے تو وہ دل کے انوارات اٹھا کر عرشِ اعلیٰ سے جاملاتا ہے؟ اسے رابطہ کہتے ہیں۔ پچاس ہزار سال کی راہ ہے۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ کوئی کسی کو مراقبۂ احدیت کرادے تو پھر کوئی جاہل ہی ہے کہ اس سے اور کسی کرامت کی توقع رکھے۔ اس سے بڑی کوئی کرامت نہیں۔ پچاس ہزار سال کی راہ ہے وہ ایک اللہ ھو سے طے کرادیں۔ اللہ اپنے بندوں سے رابطہ فرماتے ہیں، موسیٰؑ کی والدہ کو حکم دیا انہوں نے نومولود بچہ دریا میں پھینک دیا، پھر ماں تھی خود اللہ کریم فرماتے ہیں کہ گھبرا گئی، عنقریب تھا کہ شور مچادیتی اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰی قَلْبِهَا (القصص:10)۔۔۔ہم نے

ان کے دل سے رابطہ کیا انہیں حوصلہ ہو گیا، دل قائم ہو گیا، وہ تو اللہ نے کر دیا۔ اصحاب کہف کے بارے آتا ہے کہ آبادی چھوڑ کر غار میں آ گئے، کھانے کا انتظام نہ پینے کا، نہ بستر، نہ چار پائی، کریں گے کیا؟ جب گھبرائے تو ہم نے ان سے رَّبَطْنَا۔۔۔رابطہ کیا وہ حق پر جم گئے۔ تو رب کا رابطہ اس کی شان کے مطابق ہوتا ہے، بندہ جب کرتا ہے اپنی حیثیت کے مطابق کرتا ہے۔ ہر ایک کا رابطہ مختلف ہے۔ جتنا اس کا خلوص ہے اتنی اسے توجہ نصیب ہوتی ہے، اتنا مضبوط ہوتا ہے۔ رابطہ مضبوط ہو جائے تو پھر روح کے لیے سفر کی راہ بن جاتی ہے، پھر ایک توجہ سے روح احدیت پہ چلی جاتی ہے۔ احدیت عرشِ عظیم کا دروازہ ہے۔ زمین سے پچاس ہزار سال کی راہ ہے، وہ بھی فرشتوں کے لیے۔ فرشتوں کے بارے اللہ کریم فرماتے ہیں کہ پچاس ہزار سال کا فاصلہ طے کر کے وہاں پہنچتے ہیں اور ایک لمحے میں پہنچ جاتے ہیں۔ لیکن فاصلہ اتنا ہے۔ روح میں یہ صفت ملکوتی آ جاتی ہے، وہ فرشتوں کی طرح آنِ واحد میں وہاں پہنچ جاتی ہے۔ تب پتا چلتا ہے، وہاں جا کر کہتا ہے: وحدہٗ لاشریک لک۔۔۔ توحید کا جو مزہ وہاں آتا ہے توحید کی جو حقیقت وہاں منکشف ہوتی ہے وہ یہاں نہیں ہوتی۔ پھر پتا چلتا ہے کہ اللہ تُو واحد ولاشریک ہے کوئی تیرے جیسا نہیں ہے، نہ ذات میں، نہ صفات میں، شیخ کامل ہو تو وہ اسے اوپر لے جاتا ہے، معیت میں قدم رکھتا ہے تو سمجھ آتی ہے کہ میرا پروردگار تو ہر لمحے میرے ساتھ ہے، میں ہی بھولا ہوا تھا۔ وہ کیا مصرعہ تھا کسی کا۔

"تم ہمیں بھول گئے ہم تم کو نہیں بھولے۔"

بندہ بھلا دیتا ہے مالک نہیں بھلاتا، وہاں جا کر یہ سمجھ آتی ہے۔ پھر کہتا ہے کہ میرا ربّ ہر آن میرے ساتھ ہے اقربیت نصیب ہوتی ہے، اگلا قدم ہے۔ وہاں جا کر بھید کھلتا ہے۔ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (ق:16) یہاں بیٹھ کر ماننا اور بات ہے وہاں جا کر ماننا کچھ اور بات ہے۔ سب مانتے ہیں یہاں بھی قرآن کی آیت ہے۔ اللہ کا حکم ہر مسلمان مانتا ہے لیکن یہاں کا ماننا اور ہے، وہاں کا ماننا اور ہے۔

ہم مانتے ہیں وزیراعظم ہے، قابلِ عزت ہے۔ یہاں کا ماننا اور ہے، کسی کو وزیراعظم کے دفتر لے جاؤ وہاں کا ماننا اور ہے۔ سامنے ہو وہ جو ماننا ہے وہ اور ہے، یہاں مانتے ہیں یہ اور ہے۔ اقربیت سے اگر نوازا جائے تو پھر محبت پیدا ہوتی ہے قرب ہو تو محبت ہو، بعد میں کون سی محبتیں ہیں؟ دوری کس محبت کا نام ہے؟ محبت ہوتی ہے جب قرب ہو، تعلق ہو، دیکھا بھالا ہو۔ ایک بندے کو دیکھا نہیں، ہم جانتے نہیں، دیکھا نہیں تو محبت کہاں سے آئے گی؟ اسے جب قرب نصیب ہوتا ہے تو اسے جو محبت تب نصیب ہوتی ہے اس کے بغیر نہیں ہوتی۔

پھر دائرہ محبت میں قدم رکھتا ہے۔ یہ بڑے مزے کی بات ہے۔ پتا نہیں کیوں نہیں ہوتا لوگوں سے؟ ہم سے تو چھوٹتا نہیں۔ ایک قدم آگے بڑھتا ہے، پھر آگے بڑھتا ہے، محبتِ الٰہی سے سرشار ہو جاتا ہے۔ محبتِ الٰہی سے اگلا قدم ہوتا ہے کہ وہ ساری انڈیل لیتا ہے اپنے اوپر، بدن کا ذرہ ذرہ اس سے سرشار ہوتا ہے۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ (الحدید:3) پھر دیکھتا ہے، اس پہ جہاں منکشف ہو جاتا ہے۔ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ (الرحمٰن:6) پھر دیکھتا ہے ہر ذرہ اس کی بارگاہ میں سربسجود ہے۔ ایک میں نہیں، کائنات کا کوئی ذرہ حکم بجالانے سے انکار نہیں کر سکتا سب پر اس کی حکومت، سلطنت، حکم جاری ہے۔

پھر نگاہ بڑھتی ہے تو كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ (الرحمٰن:26) اور سب تو گئے، ان سب کو جانا ہے، کچھ باقی نہیں بچے گا۔ اس منظر کو دیکھتا ہے کہ کس طرح جا رہے ہیں، کہاں جا رہے ہیں، کوئی پتا نہیں، حتیٰ کہ خود بھی گم ہو جاتے ہیں۔ یا اللہ تو یہ قائم کیسے تھے؟ پھر نظر آتا ہے یہ اللہ کے قائم رکھنے سے قائم تھے۔ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ (الرحمٰن:27) انہیں اللہ نے رکھا ہوا تھا قائم، یہ خود اپنی قوت سے قائم نہیں تھے۔ اکثر اوقات اقربیت پر بھی یہ قوت ہو جاتی ہے کہ اسے برزخ منکشف ہو جائے تو حضرات کرا دیتے ہیں سیر کعبہ، پھر بارگاہِ رسالت پناہی، کبھی اگر یہ جلدی جلدی مشاہدات شروع ہو جائیں مراقبات ہو جائیں تو فنا بقا بھی کرا دیتے ہیں۔

لیکن یہ دیکھو میرے بھائی ہر چیز ایک دوسرے سے جڑی ہوئی

ہے، ہر چیز کا الگ مزہ ہے اور ہر چیز کی ضرورت ہے اور ہر چیز کی اہمیت ہے اور یہ بنیاد ہے۔ لوگوں کو بڑی غلطیاں لگیں۔ اہلِ اللہ بیچارے، چونکہ اس فن کے لوگ ملتے نہیں ہیں، بڑی کمیاب چیز ہے۔ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ (سبا:13) اللہ خود گواہی دیتے ہیں کہ یہ میرے شکرگزار بندے بہت کم ہوتے ہیں، یہ عام نہیں ہوتے، کم کم ہوتے ہیں، ملتے نہیں ہیں تو لوگ تڑپتے ترستے دنیا سے چلے جاتے ہیں۔ پھر کسی کو فنا بقا ہوگئی تو اس نے کہا میں نے سلوک مکمل کر لیا۔ یہ دھوکہ لگا، حالانکہ یہ صرف بنیاد ہے، ابجد ہے۔ جیسے کسی نے ا، ب، ی تک یاد کر لیا۔ جیسے عمارت کی بنیاد بھر لی۔ آگے بڑا کام ہے۔ میرے بھائی فرصت ہے، زندگی ہے، ہم دنیا میں حلال کمانے کے مکلف ہیں۔ ہم دنیا میں بال بچہ پالنے کے مکلف ہیں، ہم دنیا میں والدین کی خدمت کے مکلف ہیں، ہم دنیا میں قومی خدمات کے مکلف ہیں، ہم دنیا میں بین الاقوامی سطح پر امن قائم رکھنے کے مکلف ہیں، ہم مسلمان ہیں، یہ سارا کرنے کے ساتھ ہمیں یہ سب کرنا ہے۔ یہ بھی کرنا ہے اور جب یہ دنیا کا کام اللہ کے حکم کے مطابق کریں گے تو وہ اس میں ترقی کا سبب بنتا ہے، رکتا نہیں ہے۔ دنیا اسے روکتی نہیں ہے، اگر وہ شریعت کے مطابق ہو خلافِ شریعت ہوگی تو پھر روک دے گی۔

تو مجھے اللہ نے توفیق دی ہوئی ہے جب تک دم میں دم ہے، میں ذکر میں باقاعدگی کرتا ہوں۔ بخار ہو، بیماری ہو کچھ ہو، مجھے بچے پکڑ کر لاتے ہیں، وہاں تک، مائیک تک، کمپیوٹر تک، مجھے اللہ توفیق دیتا ہے، میں ذکر ضرور کراتا ہوں۔ آپ مجھے تلقین نہ کیا کریں کہ آپ کچھ کریں، آپ اپنے لیے خود کرو۔ کم از کم اتنا تو کرلو جتنا ان جادوگروں نے کر لیا، بیچارے اس لمحے سے پہلے تو کافر تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کے خلاف کھڑے تھے لیکن جب ایمان لائے تو ایمان کا مزہ آ گیا۔ جب مانا تو پھر مان لیا۔

آپ لوگ درمیان میں رہتے ہو، ماننے کو بھی دل کرتا ہے نہ ماننے کو بھی دل کرتا ہے۔ یہ کوئی بات ہے؟ بھئی ماننے کا مزہ تو تب ہے کہ شیخ کے علوم سینے میں در آئیں۔

ہم نے یہ بیان، یہ تفسیر، یہ حدیث کہاں سے سیکھی، کسی استاد سے نہیں پڑھا، الحمدللہ ان جادوگروں کی طرح شیخ کے سینے سے چرائی ہے۔ آپ کے لیے بھی راستہ کھلا ہے، بھائی صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لیے۔ کس لیے آئے ہو دنیا میں، بچے پیدا کرنے؟ تو جانور بھی کر لیتے ہیں۔ مکان بنانے؟ چڑیا بھی گھونسلا بنا لیتی ہے۔

کیا کہیں احباب کیا کارِ نمایاں کر گئے
بی اے کیا نوکر ہوئے پنشن ملی اور مر گئے

یہ زندگی ہے؟ یہ انسان کی زندگی ہے؟ زندگی تو مکھی سے لے کر ہاتھی تک جانور بھی جی رہے ہیں۔ بچے بھی پیدا کرتے ہیں۔ چارہ بھی کھاتے ہیں۔ خوراک بھی تلاش کر لیتے ہیں۔ گھونسلہ وغیرہ، کھوہ بھی بنا لیتے ہیں۔ انسانی زندگی کا تو یہ ہے کہ دنیا بھی ساتھ رہے اور دنیا میں رہ کر بارگاہِ الٰہی میں جیتا ہو۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کمال کیا تھا؟ دنیا کی مصروف ترین ہستی ﷺ، سیاسیات بھی تھی، حکومت وسلطنت بھی تھی، ازواجِ مطہرات بھی تھیں، ننھیال کے رشتے، ددھیال کے رشتے، سسرال کے رشتے سارے عرب میں پھیلے ہوئے تھے۔ رشتہ داری رشتہ دار، دشمنی بھی تھی، دوستیاں بھی تھیں، تجارت بھی کی، حضور ﷺ نے بکریاں بھی چرائیں، اور ایک عالم کو اللہ سے آشنا بھی کیا۔ تو ہم یقین کریں ایمان لائیں تو برکاتِ نبوت آئیں۔ ہم دنیا کا بھی کریں اور اللہ کے بھی ہو کر رہیں۔ میں یہ ہی کر سکتا ہوں اللہ سب احباب کو توفیق دے اور قوت عطا فرمائے۔

اللہ کریم! ہمیں توبہ کی توفیق عطا کر اور ہماری توبہ قبول فرما۔ اللہ ہمارے دلوں کو منور کر دے۔ ہمارے لطائف منور کر دے، ہمیں توفیق عطا کر، دنیا میں بھی تیری اطاعت کریں۔ دین کی نعمتیں بھی نصیب ہوں۔ بارِ الٰہا! ہماری خطائیں معاف فرما۔ ہمیں اپنی بارگاہ میں قبول فرما۔ بیماروں کو شفا عطا فرما۔ قرضداروں کی خلاصی فرما۔ اللہ کریم دنیا وآخرت دونوں جہانوں میں سلامتی عطا فرما، تو ہر چیز پہ قادر ہے۔

سورۃ القصص

مسائل السلوک من کلام ملک السلوک

الشیخ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کا بیان

حب اہل اللہ کا نافع ہونا اگرچہ طبعی ہی ہو:

قولہٗ تعالیٰ: وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ط (القصص:9)

ترجمہ: اور فرعون کی بی بی نے کہا کہ یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

''اس قوت کا سبب محض حب طبعی تھا، پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت فرمائی تو اس سے ثابت ہوا کہ اہل اللہ کی محبت اگرچہ طبعی ہی ہو ایمان اور ہدایت میں نافع ہو جاتی ہے۔ اور کسی مانع کے سبب تخلف ہو جانا مضر نہیں جیسا ابوطالب میں ہوا۔''

یعنی موسیٰ علیہ السلام کو فرعونیوں نے جب دریا سے نکالا تو معصوم بچہ تھا۔ فرعون نے کہا کہ اسے قتل کرا دیا جائے، کسی اسرائیلی نے پھینکا ہوگا کہ اسرائیلیوں کے لڑکے قتل کرائے جا رہے تھے، اس پر فرعون کی بیوی نے کہا اسے قتل نہ کرو، یہ میری اور آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگا۔ تو فرماتے ہیں اس کا سبب محض حب طبعی تھا کہ وہ خاتون تھیں معصوم بچہ دیکھ کر طبعی طور پر انہیں پیار آیا وہ نہیں جانتی تھیں کہ یہ نبی ہوگا یا رسول ہوگا یا یہ انقلاب لائے گا یا یہ فرعون کو تباہ کرے گا۔ یہ انہیں علم نہیں تھا محض طبعی محبت تھی جو خواتین کو چھوٹے بچوں سے ہوتی ہے، اس محبت کے سبب انہوں نے کہہ دیا تو فرعون اور اس کی قوم تو گمراہ رہی لیکن اس خاتون کو اللہ نے ایمان عطا کر دیا اور انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہجرت بھی کی۔ تو فرماتے ہیں جب اللہ نے ان کو ہدایت عطا فرما دی تو اس سے ثابت ہوا کہ اہل اللہ کی محبت اگرچہ طبعی ہو ایمان و ہدایت میں نافع ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ کے نیک بندوں سے محبت اگرچہ طبعی ہو۔ کوئی رشتہ داری ہو یا کوئی دوستی کا تعلق ہو یا طبعی محبت ہو تو وہ بھی ایمان و ہدایت کے معاملے میں نفع دے جاتی ہے۔ اس سے بھی ایمان نصیب ہوتا ہے، ہدایت نصیب ہوتی ہے۔

مجاہدہ کے بعد بعض طبعیات کے عود پر مغموم نہ ہونا چاہیے:

قولہٗ تعالیٰ: وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ط القصص:10

ترجمہ: اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا دل بے قرار ہو گیا۔

''بعض مفسرین نے یہ تفسیر کی ہے کہ خالیاً عن الصبر اور اس قول سے اس تفسیر کی تائید ہوتی ہے اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا پس والدہ موسیٰ کا یہ تردد باوجود اس وعدہ الٰہیہ کے اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ اس پر دال ہے کہ کامل میں کبھی امور طبعیہ عود کرتے ہیں تو اس پر اس کو مغموم نہ ہونا چاہیے۔ البتہ کامل کی شان ایسی حالت میں یہ ہے کہ ان امور طبعیہ کے مقتضاء پر وہ عمل نہیں کرتا جیسا کہ موسیٰ کی والدہ نے اپنے تردد قلبی کو ظاہر نہیں فرمایا چونکہ اللہ تعالیٰ نے قوت دے دی۔''

فرمایا اس میں دلیل ہے کہ بہت بڑا کوئی کامل ولی اللہ ہو، اعلیٰ مراقبات والے منازل رکھتا ہو تو اس میں بھی کبھی کبھی فطری امور جیسے انسانی اندیشے، انسانی خوف اور ایسے جذبات، بچوں کی محبت، گھر کی محبت، تمام فطری چیزیں، کبھی کبھی اس کے حال پہ غالب آ جاتی ہیں تو اس سے غم نہیں کرنا چاہیے کہ انسان بالآخر انسان ہے اور وہ جذبات سے خالی نہیں ہو سکتا۔

بدون قوت ربانیہ کے قوت بشریہ کا کمال اخلاق میں کافی نہ ہونا:

قولہ تعالیٰ: لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰی قَلْبِهَا (القصص:10)

ترجمہ: اگر ہم ان کے دل کو اس غرض سے مضبوط نہ کئے رہیں۔

"اس پر دال ہے کہ تکمیل اخلاق میں قوت بشریہ کافی نہیں بلکہ مدار اس کا تائید الٰہی ہے۔"

فرمایا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر ہم ان کے دل کو مضبوط نہ کئے رکھتے، ان سے رابطہ نہ کرتے لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰی قَلْبِهَا اگر ان کے قلب سے رابطہ نہ کرتے تو شاید وہ لوگوں کو بات بتا دیتیں۔ تو اس میں بتاتے ہیں کہ تکمیل اخلاق اور نیکی اور بھلائی کے کرنے میں صرف قوت بشریہ کافی نہیں، اسے تائید الٰہی چاہیے اور جو شخص خلوص نیت سے نیکی کا ارادہ کرتا ہے اسے تائید الٰہی ساتھ نصیب ہو جاتی ہے۔ تو نیکی کی اصل جو ہے محض انسانی طاقت نہیں بلکہ اللہ کا وہ کرم اور وہ تائید ہے جو بندے کا نیکی کا ارادہ کرنے کے سبب اس کے ساتھ شامل حال ہو جاتی ہے۔ تو اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کسی کو اپنی نیکی پر گھمنڈ اور فخر نہیں کرنا چاہیے چونکہ وہ سارا فعل اس کا نہیں ہوتا بلکہ با تائید الٰہی ہوتا ہے۔ اللہ کی دی ہوئی توفیق سے ہوتا ہے۔

اعتدال فی التدبیر منافی توکل نہیں:

قولہ تعالیٰ: وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ (القصص:11)

ترجمہ: انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے کہا کہ ذرا موسیٰ کا سراغ تو لگا۔

"اس سے معلوم ہوا کہ تدبیر میں اعتدال منافی توکل نہیں۔"

تو فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ تدبیر میں اعتدال منافی توکل نہیں ہے۔ یعنی انہیں بھروسہ تو اللہ پر تھا لیکن بچی سے کہا کہ ذرا دیکھ کر آ، ہوتا کیا ہے؟ تو فرماتے ہیں جائز شریعت کے اندر رہ کر تدبیر کرنا توکل کے منافی نہیں۔ توکل یہی ہے کہ بندہ اسباب اختیار کرے لیکن بھروسہ اللہ پر کرے، اسباب پر نہ کرے۔

مشاہدہ کے قبل اطمینان نہ ہونا مضر نہیں:

قولہ تعالیٰ: وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ (القصص:13)

ترجمہ: اور تا کہ اس بات کو جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے۔

"اس علم کا طریق بعض وعدوں کا مشاہدہ اور بعض کا ان مشاہدات پر قیاس کرنا ہے، کذا فی الروح۔ اس سے معلوم ہوا کہ قبل مشاہدہ اطمینان نہ ہونا کمال ایمان کے منافی نہیں کیونکہ کمال ایمان تو بواسطہ الہام کے پہلے بھی تھا۔"

فرمایا جب ہم نے انہیں بچہ لوٹا دیا تو انہیں پتہ چل گیا اور ان کو یہ یقین ہو گیا کہ اللہ کا وعدہ سچا تھا۔ فرماتے ہیں مشاہدہ ہونے کے بعد یقین جو ہے وہ اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے حالانکہ اس سے پہلے بھی انہیں یقین تو تھا جب ان پر الہام کیا گیا اللہ کی طرف سے، تو یقین نہ ہوتا تو اپنے نومولود بچے کو دریا میں کیوں ڈال دیتیں۔ ایمان پہلے بھی تھا یقین پہلے بھی تھا لیکن مشاہدہ نصیب ہوا تو یقین کامل نصیب ہو گیا، مکمل ہو گیا۔ جس طرح ابراہیمؑ نے عرض کی تھی اللہ کریم مُردوں کو کیسے زندہ فرمایا جائے گا؟ تو پوچھا آپ کو یقین نہیں ہے؟ فرمایا یقین ہے، یا اللہ یقین تو ہے اور میں اس یقین کو اور پختہ کرنا چاہتا ہوں تا کہ میرے دل کو کامل یقین ہو جائے۔ اطمینان ہو جائے۔

کاملین سے بعض طبعیات کا صدور:

قولہ تعالیٰ: قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ (القصص:16)

ترجمہ: موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اے اللہ کریم مجھ سے قصور ہوا اور مجھے معاف فرمایا جائے۔

"یہ مقتول گو حربی تھا مگر معاہد تھا اور گو معاہدہ قالاً نہ تھا مگر حالاً تھا اور آپؑ نے قتل کا قصد نہ کیا تھا محض دفع ظلم چاہا تھا تو قتل بلا قصور ہوا اور آپ کو بعد تامل معلوم ہوا کہ دوسرے طریق سے بھی دفع ظلم ممکن تھا جو

غصہ میں سمجھ میں نہیں آیا اس لئے استغفار فرمایا، پس اس سے چند مسئلے ثابت ہوئے۔

1۔ کاملین سے بعض طبعیات مثل غضب صادر ہو جاتے ہیں۔

2۔ حسنات الابرار سیئات المقربین اور یہاں وہ حسنہ دفع ظلم تھا۔

3۔ کاملین کو دوسروں سے زیادہ خشیت ہوتی ہے جیسا استغفار سے معلوم ہوا۔"

فرمایا موسیٰ علیہ السلام سے جو قبطی قتل ہوا تو اس میں کئی باتیں تھیں۔ ایک تو وہ حربی تھا۔ ایسے کافر جن سے جنگ ہو رہی ہو تو اس کا قتل اس طرح سے بھی تھا۔ دوم آپ نے قتل کے ارادے سے اسے نہیں مارا۔ آپ نے اسے ظلم سے روکنے کے لئے مارا۔ ان سے چوٹ اتنی سخت لگ گئی کہ وہ مرگیا۔ تو پھر فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کو خیال آیا کہ اس کے علاوہ اسے پکڑ کر بھی روکا جاسکتا تھا، اور بھی کوئی طریقہ کیا جاسکتا تھا اس لئے آپ نے استغفار فرمایا، اللہ کریم سے معافی چاہی۔ فرماتے ہیں اس میں کئی مسئلے ثابت ہوئے۔ کاملین سے بعض طبعیات مثل غضب صادر ہو جاتے ہیں کہ کامل ولی اللہ سے بعض اوقات غصے میں کوئی بات ہوسکتی ہے۔ اگر اللہ کے نبیؑ سے ہوسکتی ہے تو ولی کہاں تک کامل ہوگا۔ حسنات الابرار اور سیئات المقربین کہتے ہیں نیکوں کی نیکیاں یعنی جو عمل نیک بندے کے لئے نیکی ہوتا ہے مقربین کے لئے وہ عُجب بن جاتا ہے، ان کی شان کے لائق نہیں ہوتا۔ تو فرماتے ہیں کاملین کو دوسروں سے زیادہ خشیت ہوتی ہے، جیسے استغفار سے معلوم ہوا کہ اللہ کے جو کامل بندے ہوتے ہیں وہ دوسروں کی نسبت زیادہ عظمت الٰہی کا شعور رکھتے ہیں اور زیادہ احتیاط کرتے ہیں۔

ظالم کے لئے عہدہ کی دعا نہ کرنا:

قولہ تعالیٰ: فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ (القصص:17)

ترجمہ: سو کبھی میں مجرموں کی مدد نہ کروں گا۔

"اس سے معلوم ہوا کہ ظالمین کی معاونت جائز نہیں اور چونکہ عہدہ وحکومت کی دعا کرنا یہ بھی ایک معاونت ہے اس لئے اہل اللہ ظالم کے لئے ایسی دعا نہیں کرتے اور اگر شدید ضرورت ہو تو اس میں یہ قید لگا دیتے ہیں کہ اگر خیر ہو، جیسے استخارہ میں اسی قید سے دعا ہوتی ہے۔"

فرماتے ہیں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں آئندہ گناہ گاروں اور مجرموں کی مدد نہیں کروں گا۔ تو فرماتے ہیں اہل اللہ ظالموں کے لئے بدکاروں کے لئے دعا سے مدد نہیں کرتے کہ وہ اور بدکاری میں نہ بڑھ جائیں اور اگر کبھی کرنی پڑے تو یہ قید لگا دیتے ہیں کہ اللہ اگر اس میں بھلائی ہے تو ایسا ہو جائے۔

کاملین کی سیاست کا موافق ومخالف سب کو عام ہونا:

قولہ تعالیٰ: قَالَ لَهٗ مُوْسٰٓى اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ۝ فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا (القصص:18-19)

ترجمہ: موسیٰ علیہ السلام اس سے فرمانے لگے بیشک تو صریح بدراہ ہے، سو جب موسیٰ نے اس پر ہاتھ بڑھایا جو دونوں کا مخالف تھا۔

"اس پر دال ہے کہ کاملین جس طرح عدو پر سیاست کرتے ہیں دوست پر بھی کرتے ہیں جیسا کہ دونوں کے حال کا مقتضا ہوتا ہے۔ سو آپ کا یہ قول اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ قبطی پر سیاست تھی اور ارادۂ يَّبْطِشَ قبطی پر سیاست تھی غرض ان میں عصبیت قومی نہیں ہوتی ان میں عدل کامل ہوتا ہے۔"

موسیٰ علیہ السلام نے لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ اس بندے کو فرمایا جو اسرائیلی تھا اور ہاتھ بڑھایا قبطی کی طرف۔ تو فرماتے ہیں اس میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ کاملین جس طرح دشمن کو اس کے جرم واضح کرتے ہیں، اسی طرح دوستوں کو بھی ان کی باتیں ضرور کہتے ہیں۔ جیسے انہوں نے ایک آدمی کو جو ان کی قوم کا تھا سے کہا کہ تم بھی اچھے آدمی نہیں ہو، کسی نہ کسی سے جھگڑا کئے ہوئے ہوتے ہو۔ تو فرمایا اس میں جو اللہ کے بندے ہوتے ہیں وہ کسی قوم یا کسی رشتے یا کسی اور عصبیت کی وجہ سے

نہیں کہتے۔ ان کا کہنا یا کرنا جو ہوتا ہے وہ عدل کی وجہ سے ہوتا ہے، انصاف کی وجہ سے ہوتا ہے۔

خدمت خلق:

فَسَقٰی لَهُمَا (القصص:24)

ترجمہ: پس موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لئے پانی پلایا۔

"اس میں دلالت ہے کہ کاملین کو خدمت خلق سے عار نہیں ہوتی۔"

کہ کامل ولی اللہ ہونا دنیادار کی طرح نہیں، جس طرح دنیا کا کوئی امیر آدمی کسی غریب کی بات سننے سے بھی عار کرتا ہے اس کے ساتھ بیٹھنے سے بھی عار کرتا ہے یا کسی غریب کی خدمت کرنے سے عار کرتا ہے تو اللہ کے ولی ایسا نہیں کرتے، دوسروں کا دنیوی کام بھی کر دیتے ہیں۔

نعم الٰہیہ کی طرف احتیاج کا اظہار منافی زہد نہیں:

قولہ تعالیٰ: فَقَالَ رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ (القصص:24)

ترجمہ: پھر دعا کی کہ اے میرے پروردگار جو نعمت بھی آپ مجھ کو بھیج دیں میں اس کا حاجت مند ہوں۔

"روح میں حدیث مرفوع ہے کہ آپؑ کو اس روز ایک کف دست خرما کی احتیاج تھی۔ پس یہ تفسیر اس پر دال ہے کہ کاملین کی شان ہر قلیل وکثیر میں اپنی حاجت جس کا حق تعالیٰ کے سامنے ظاہر کرنا ہے وہ متکبر مدعیان زہد کی طرح نہیں ہوتی کہ وہ حق تعالیٰ کی نعمتوں سے استغناء بلکہ نفرت ظاہر کیا کرتے ہیں۔"

فرماتے ہیں حدیث مرفوع میں ہے صاحب روح المعانی نے نقل کیا ہے کہ انہیں صرف ایک مٹھی بھر کھجوریں چاہئیں تھیں۔ خالی پیٹ تھے اور بچیوں کے ریوڑ کو پانی پلا دیا اور سائے میں جا کر بیٹھے تو دعا کی رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ کہ اے اللہ جو مہربانی بھی تُو فرمائے، جو بھلائی بھی مجھے عطا کرے میں اس وقت بہت محتاج ہوں۔ اور انہیں چاہئیں تھیں ایک مٹھی بھر کھجوریں وہ اس وقت کا کھانا بن جائے گا۔ تو فرماتے ہیں یہ تفسیر اس پر دلالت کرتی ہے کہ کاملین کی شان پر قلیل وکفیل میں اپنی حاجت حق تعالیٰ کے سامنے ظاہر کرنا ہے۔ کہ کامل جو ہوتے ہیں وہ ہر چیز کے لئے وہ چھوٹی ہو یا بڑی اللہ کریم کے سامنے درخواست کرتے ہیں اور اس سے استدعا کرتے ہیں اور اس سے طلب کرتے ہیں اور جو دکھاوے کے دنیادار دنیا کمانے کے لئے ولایت کا لباس اوڑھے ہوئے ہوتے ہیں وہ دنیا کی نعمتوں سے بظاہر نفرت کا اظہار کرتے ہیں اور درحقیقت دنیا کماتے رہتے ہیں لیکن بظاہر نفرت ظاہر کیا کرتے ہیں۔ اللہ کی نعمتوں سے کوئی بندہ نفرت ظاہر نہیں کرسکتا۔

اس میں ایک چیز اور بھی ہے جو یہاں لکھی نہیں گئی۔ انہوں نے دعا فرمائی اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ کوئی بھلائی بھی مجھے عطا کر دی جائے کہ میں بہت محتاج اور ضرورت مند ہوں۔ اگلی آیت میں ہے فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِیْ عَلَی اسْتِحْیَآءٍ کہ شعیب علیہ السلام کی ان دو بچیوں میں سے ایک بچی ان کے پاس آئی جس کے چلنے میں بھی حیاء ٹپک رہی تھی۔ تو موسیٰ علیہ السلام کی دعا کے جواب میں اللہ کریم نے ایک باحیا، نیک سیرت خاتون بھیج دی جو نبیؑ کی بیٹی تھیں تو ضرورت تو انہیں ایک مٹھی بھر کھجوروں کی تھی لیکن اس بچی کے آنے کے بعد شعیبؑ کے پاس پہنچے، پھر ان کی ایک بچی سے ان کا نکاح ہوگیا۔ تو ایک بی بی مل جانے سے گویا انہیں جو کچھ پیچھے چھوڑ آئے تھے اس سے زیادہ مل گیا۔ دوست بھی مل گئے، رشتہ دار بھی مل گئے، زوجہ محترمہ بھی مل گئیں، گھر بھی بن گیا۔ یعنی ایک خاتون کے آنے سے انہیں دنیا کی ہر نعمت میسر آ گئی۔ تو اس سے مراد یہ ہے کہ باحیا اور نیک عورت دنیا میں اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

اکرم التفاسیر

سورۃ الشوریٰ، آیات 44تا48

الشیخ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم کرنے والے ہیں۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ

اور جس کو اللہ گمراہ کردیں تو اس کے لیے اس کے علاوہ کوئی (بھی) کارساز نہیں

وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ

اور آپ ظالموں کو دیکھیں گے جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو کہتے ہوں گے کیا

هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۴﴾ وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ

(دنیا میں) واپس جانے کی کوئی صورت ہے؟ اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ وہ اس

عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ

(دوزخ) کے سامنے لائے جائیں گے، جھکے ہوئے ذلت سے، سست نگاہ سے دیکھتے ہوں گے

وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ

اور ایمان والے کہیں گے کہ یقیناً خسارہ پانے والے تو وہ ہیں جنہوں نے اپنے آپ اور

خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ

اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن خسارے میں ڈالا۔ یاد رکھو! بے شک ظالم (مشرک وکافر)

فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿۴۵﴾ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ

ہمیشہ کے عذاب میں رہیں گے۔ اور ان کے کوئی دوست نہ ہوں گے جو اللہ کے سوا ان کی

دُوْنِ اللّٰهِ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۶﴾ اِسْتَجِيْبُوْا

مدد کرسکیں۔ اور جس کو اللہ گمراہ کردیں تو اس کے لیے کوئی راستہ نہیں۔ اپنے پروردگار کا حکم مان لو

لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ

اس سے پہلے کہ وہ دن آپہنچے جو اللہ کے ہاں سے ٹلے گا نہیں۔ اس دن تمہارے لیے نہ

مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ﴿۴۷﴾ فَاِنْ اَعْرَضُوْا

کوئی جائے پناہ ہوگی اور نہ تم سے (گناہوں کا) انکار ہی بن پڑے گا۔ پھر اگر یہ لوگ منہ پھیر لیں

فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ

تو ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔ آپ کا کام تو صرف (احکام) پہنچا دینا ہے۔

وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا

اور بے شک جب ہم انسان کو اپنی رحمت (کا مزہ) چکھاتے ہیں تو اس پر خوش ہوجاتا ہے

وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ

اور اگر ان پر اپنے ان اعمال کے بدلے پہلے کرچکے ہیں کوئی مصیبت آجاتی ہے تو آدمی

الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴿۴۸﴾

ناشکری کرنے لگتا ہے۔

ارشادِ باری ہے کہ جسے اللہ گمراہ کردیں پھر نہ اُس کا کوئی مددکرنے والا ہے اور نہ کوئی اس کی حمایت میں کھڑا ہونے والا ہے: فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۔۔۔ اُس کے بعد کوئی اُس کا معاون، مددگار نہیں بنے گا جسے اللہ گمراہ کردے۔ تو یہ پیشِ خدمت کیا گیا آقائے نامدار ﷺ سے کہ اگر اللہ ہی گمراہ کردیں تو بندے کا کیا قصور؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ یونہی گمراہ نہیں کرتے۔ بندہ نافرمانی کرتا ہے، گناہ کرتا ہے تو اُس کے نتیجے میں اس کے دل پہ ایک سیاہ داغ پیدا ہوجاتا ہے۔ توبہ کرتا ہے رجوع الی اللہ کرتا ہے تو وہ صاف ہوجاتا ہے۔ اگر نہیں کرتا مزید گناہ کرتا ہے تو وہ سیاہی مزید بڑھنے لگتی ہے۔ مسلسل اُسی میں چلا جائے تو رفتہ رفتہ، رفتہ رفتہ سارا دل سیاہ ہوجاتا ہے۔ جب سارا دل سیاہ ہوجائے تو پھر غضبِ الٰہی سے اُس پر مہر کردی جاتی ہے۔ پھر اس کے لیے معافی کا دروازہ بند ہوجاتا ہے۔ پھر اللہ کریم کہتے ہیں اب اِدھر ہی رہ، اب تیری واپسی کی ضرورت نہیں۔ وہ جو سورۃ البقرہ میں

تھا ناں خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (البقرہ: 7) اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کردی، اسی پر یہ سوال آپ ﷺ کی خدمت عالی میں پیش کیا گیا کہ جب اللہ نے مہر کردی تو اس کا کیا قصور؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا، بندے نے اپنے کردار سے مہر لگوائی۔ جرم کی حد ہے، ایک بار، دو بار دس بار، پچاس بار، ہزار بار، آخر ایک حد آجاتی ہے کہ جب سارا قلب سیاہ ہوجاتا ہے۔ تو فرمایا، یہ بہت بڑی گستاخی ہے کہ اس سے اللہ کریم ناراض ہوتے ہیں کہ تجھے کبھی توبہ کا خیال نہیں آیا! تجھے کبھی اللہ کی نافرمانی کا احساس نہیں ہوا! وہ پھر ایسے دلوں کو جو دل اس درجے میں چلا جائے، اللہ کریم فرماتے ہیں پھر اس کا مددگار کون ہوسکتا ہے؟ کوئی بھی نہیں اور فرمایا، اے مخاطب: وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ۔۔۔ یہ جو بڑے بڑے پھنّے خان ہیں اور اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں جنہوں نے دنیا میں اپنی شہرت کے لیے یا دولت لوٹنے کے لیے یا ممالک پر قبضہ کرنے کے لیے کروڑوں بے گناہ انسانوں کو موت کی نیند سلا دیا۔ آخر ایک ایک بندے ہی کا فیصلہ تھا۔ لاکھوں لوگوں کو مار دیا لوگوں کی عزتیں لٹیں، مال لٹے، دھوکے سے لیے الظّٰلِمِيْنَ ۔۔۔ غلط کار۔۔۔ ہر گناہ ظلم ہے۔ تو فرمایا، مخاطب تُو اُن گناہ گاروں کو، بدکاروں کو، جو اللہ کی عظمت کے قائل نہیں ہیں جب ان کے سامنے عذاب آئے گا، آخرت آئے گی، برزخ منکشف ہوگا، جب یہ دوزخ کو دیکھیں گے، تو تُو دیکھے گا یہ کہہ رہے ہوں گے۔ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۴﴾ کوئی ایسی تدبیر ہو کہ ہم دنیا میں پھر لوٹ جائیں، پھر بڑی نیکی کریں گے، کوئی واپسی کی سبیل ہوسکتی ہے؟ کوئی ایسا طریقہ ہوسکتا ہے کہ ہمیں پھر سے دنیا میں بھیج دیا جائے؟ اور اب ہمیں پتا چل گیا کہ برائی کا انجام کیا ہے، ہم بڑی نیکی کریں گے۔ فرمایا، یہ ان کے دل میں حسرت ہی رہے گی۔ واپس دنیا میں کوئی نہیں آئے گا۔ وہ نظام ہی ختم ہوگیا، کائنات ہی ختم ہوگئی۔ وہ سورج، رات رہی نہ وہ دن رہا۔ نہ وہ موسم رہے، نہ وہ کائنات رہی، نہ وہ آبادی، اب کہاں جاؤ گے؟ اب تو یہیں بسیرا ہے وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ۔۔۔ پھر اے مخاطب! تُو دیکھے گا کہ خوف سے لرزاں و ترساں منہ نیچے کیے ہوئے ٹیڑھی نظروں سے دوزخ کو چوری چوری کی نظروں سے دیکھ رہے ہوں گے کہ مارے گئے، کس مصیبت میں پڑ گئے۔ یہ جرأت نہیں ہوگی کہ منہ اٹھا کر دیکھیں۔ لرزاں و ترساں ہوں گے، بدن پہ کپکپی طاری ہوگی، سر جھکے ہوئے ہوں گے اور ٹیڑھی نظروں سے دیکھ رہے ہوں گے۔ خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ۔۔۔ چھپی چھپی، چوری چوری نگاہوں سے لرزاں و ترساں سر جھکا ہوا، نیچی نگاہوں سے دیکھ رہے ہوں گے۔ اُس حال میں مومنین بھی تو میدانِ حشر میں ہوں گے اُس حال میں: وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۔۔۔ اُس حال میں اللہ کے ایماندار بندے انہیں پھر یاد دلائیں گے، اُنہیں کہیں گے کہ دیکھو!

اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۔۔۔ وہ کہیں گے ہم تمہیں دنیا میں بھی کہتے تھے آج بھی بتا رہے ہیں کہ سب سے بڑا نقصان میں وہ شخص ہے جس نے اپنی اور اپنے بچوں کی عاقبت تباہ کرلی۔ آخرت تباہ کرلی۔ دنیا چلی گئی، یہ نقصان نہیں ہے۔ صحت چلی گئی یہ نقصان نہیں ہے۔ عاقبت چلی گئی تو سب کچھ جاتا رہا، تباہ ہوگئے۔ تم نے دنیا میں حکومت لے لی کیا کیا، قبر میں آئی تمہارے ساتھ؟ دولت جمع کرلی، کیا ہوا؟ دولت تمہارے ساتھ قبر میں آئی؟ آخرت کے لیے جو کیا یا جو چھوڑا وہ ساتھ قبر میں آیا؟ تو سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ مومن پھر وہاں بھی اُن سے کہیں گے کہ سب سے بڑا خسارہ پانے والا وہ شخص ہے جس نے اپنے آپ کو بھی اور اپنے بال بچوں کو بھی آخرت اور قیامت کے دن نقصان میں رکھا۔ اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿۴۵﴾ ۔۔۔ خوب سن لو، طے شدہ بات ہے، مشرک و کافر، ظلم کرنے والے لوگ، اللہ کے نافرمان، اللہ کو نہ ماننے والے، اطاعت نہ کرنے والے ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔ یہ کوئی دنوں کی بات نہیں، سالوں کی بات نہیں، صدیوں کی بات نہیں کہ کبھی ختم ہوجائے گی۔ نہیں! نہ موت آئے گی نہ زندہ ہوں گے۔ زندگی موت سے بدتر ہوگی اور موت آئے گی نہیں، ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں جلتے رہیں گے۔

فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿۴۵﴾ ۔۔۔ وہیں قیام ہوگا، ہمیشہ مستقل رہائش

مل جائے گی انہیں جہنم میں۔ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ۔۔۔ وہاں اللہ کے علاوہ کوئی ایسا دوست، ساتھی، مددگار نہیں ہوگا جو اللہ سے بڑھ کر اُن کی مدد کرے۔ اللہ کے علاوہ کوئی مدد نہیں کرسکتا وہاں۔ کوئی ایسا نہیں جو کسی کافر کو، مشرک کو، دوزخ سے نکال دے۔ اُس کا عذاب ہی کم کردے۔ اسے ایک دن کی چھٹی دلا دے۔ قرآنِ کریم میں آتا ہے کہ کفار و مشرکین جہنم کے داروغے سے کہیں گے، فرشتے سے کہیں گے کہ یار تُو ہی اللہ سے دعا کر، تُو تو فرشتہ ہے کم از کم ایک دن تو ہمیں چھٹی دے دے، ایک دن کا عذاب ہم سے کم کردے۔ تو وہ آگے سے جواب دے گا تمہارے پاس اللہ کے نبیؑ اور رسولؑ آئے نہیں تھے؟ ان کی بات تو تم نے مانی نہیں۔ کہے گا پھر آج تمہاری بات کون سنے گا؟ تم نے انبیاءؑ کی نہیں سنی تو آج تمہاری کون سنے گا؟ بھگتو جو بھگت رہے ہو۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ۔۔۔ اللہ جس سے خفا ہو جائیں اور اللہ کو اتنا ناراض کردے کہ وہ اس سے توبہ کا راستہ ہی بند کردیں، اسے گمراہ کردیں پھر اس کے لیے کوئی سبیل نہیں۔ کوئی راستہ بچنے کا نہیں ہے۔ پھر وہ نہیں بچ سکتا۔ کہیں نہیں جاسکتا کوئی اس کی مدد نہیں کرسکتا۔ لہٰذا آج وقت ہے اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ ۔۔۔ اپنے پروردگار کی بات قبول کرو۔ وہ تمہارا مالک ہے، خالق ہے۔ اُس نے تمہیں پیدا کیا، تمہیں عزت دی، نام دیا، غذا دے رہا ہے، پرورش کر رہا ہے، اولاد دی، مال دے رہا ہے، جان دی۔ کیوں اس کی بات نہیں مانتے ہو؟ آج موقع ہے۔ آج اس کی بات قبول کرلو۔ اسلام دینِ فطرت ہے۔ مشکل تب ہوتا ہے جیسے عیسائیت میں ان بعد والے عیسائیوں نے یہ گھڑلیا کہ جو پادری ہوگا وہ شادی نہیں کرے گا۔ جو عورت نن بنے گی، وہ شادی نہیں کرے گی۔ یہ غیر فطری اعمال ہیں، انسانی فطرت کے خلاف ہے اور ان پہ قائم رہنا انسان کے لیے ممکن نہیں ہے۔ وہ شادی نہیں کرے گا تو بدکاری کرے گا۔ اسی طرح جین مت وغیرہ میں ہے کہ وہ کھانا کھائے گا نہیں اور بہت تھوڑا کھائے گا اور یہ کرے گا۔ یہ سارے غیر فطری طریقے ہیں، اسلام دینِ فطرت ہے۔ مومن محنت بھی کرے گا، روزی بھی کمائے گا، کپڑے بھی پہنے گا، جوتے بھی پہنے گا، کھانا بھی کھائے گا، شادی بھی کرے گا، ماں باپ بھی ہوں گے، بہن بھائی بھی ہوں گے، معاشرہ بھی ہوگا، ملک بھی ہوگا، اولاد بھی ہوگی۔ سارے کام جو زندہ انسان نے کرنے ہیں وہ کرے گا۔ اسلام کہیں روکتا نہیں۔ اسلام طریقہ بتاتا ہے کہ کائنات اللہ کی ہے اس میں رہنے کا سلیقہ یہ ہے۔ اچھا کھاؤ، حلال کماکر، دوسرے کا چھین کر نہیں۔ وہ اچھا نہیں ہے وہ ظلم ہے۔ جو دوسرے کا چھین کر کھاؤ گے وہ ظلم ہے۔ کھانے سے نہیں روکتا، کہتا ہے حلال کھاؤ۔ اچھا پہننے سے نہیں روکتا، حکومت کرنے سے نہیں روکتا، کتنے مسلمان حکمران ہوئے ہیں۔ برصغیر میں مسلمان حکمران کتنے ایسے ہوئے ہیں جو پورے برصغیر کے بادشاہ تھے لیکن اپنی روٹی اور اپنے لباس کے لیے قرآنِ کریم لکھ کر چوری چوری بیچا کرتے تھے۔ پورا ملک ان کے پاس تھا، پوری حکومت ان کی، پورے ملک کے خزانے، بیت المال پاس تھا۔ کھانا بھی اس میں سے نہیں لیتے تھے۔ یہ مسلمان حکمرانوں کی روایت ہے۔ آج تو ہمارے ٹی وی ڈراموں میں یہ نئی نسل آگئی ہے، جن کا نہ لباس اپنا ہے نہ شکل اپنی ہے نہ سوچ اپنی ہے، نہ مزاج اپنا ہے اور یہ مسلمان حکمرانوں پہ تنقید کرتے رہتے ہیں۔ انہیں ہندو، مشرک، سکھ، مرہٹے جنہوں نے ہمیشہ قتلِ عام کیا اور مخلوق کو لوٹا وہ نظر نہیں آتے۔ مسلمان حکمرانوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ برصغیر میں مسلمان حکمران جو ہوئے ہیں چار پانچ حکومتیں یکے بعد دیگرے ایسے آئیں کہ پہلے بادشاہ کا غلام تھا۔ وہ اس کی جگہ بادشاہ بن گیا۔ یہ غلام کیسے بادشاہ بن جاتے تھے؟ یہ بھی اسلام کی خوبی ہے کہ جب بادشاہ فوت ہوا اور اُس کا کوئی جانشین نہیں تھا تو اس کے کسی غلام میں اہلیت تھی تو مسلمانوں نے اسی کو سلطان بنالیا۔ اہلیت و استعداد کی بنیاد پر۔۔۔ وہ یکے بعد دیگرے پانچ چھ حکومتیں آئیں جسے خاندانِ غلاماں کہتے ہیں تاریخ میں۔ وہ کسی کے ایک دوسرے کے بیٹے نہیں ہیں۔ ایک کے بعد دوسرا اس کا غلام تھا، اس کے بعد دوسرا اس کا غلام جانشین ہوا۔ میرا نہیں خیال کہ اس خاندانِ غلاماں کے کسی بادشاہ نے بیت المال سے ایک لقمہ لیا ہو۔ بلکہ قطب الدین ایبکؒ قرآن ہی لکھ کر

بیچا کرتے تھے تو کسی اُمیر نے زیادہ پیسے دے کر خرید لیا تو انہوں نے حکم دے دیا کہ آئندہ یہ بات صیغہ راز میں رکھی جائے کہ یہ قرآنِ کریم کس نے لکھا ہے۔ وہی پیسے لیے جائیں جو ہدیہ ہے، زیادہ نہ لیے جائیں چونکہ اس وقت یہ پریس وریس تو تھے نہیں ہر جگہ قرآنِ کریم ہاتھ ہی کے لکھے ہوئے ملتے تھے۔ قلم ہی سے لکھے جاتے تھے تو نسلاً بعد نسلاً ایسے حکمران ہوئے ہیں۔ مغلوں میں ایسے حکمران ہوئے ہیں، عیاش بھی ہوئے ہیں لیکن یہ بھی اسلام کی خوبی ہے کہ ایسے بھی ہوئے ہیں تو فرمایا: اِسۡتَجِيۡبُوۡا لِرَبِّكُمۡ ۔۔۔ وہ تمہارا پروردگار ہے آج اُس کی بات مان لو۔ وہ تمہیں کوئی غیر فطری کام نہیں کہتا۔ وہ کھانے سے، پینے سے، اٹھنے، بیٹھنے سے، دوستی سے، وہ کسی بات سے روکتا نہیں ہے۔ اس کا سلیقہ بتاتا ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ جو طریقہ کسی کام کو کرنے کا اسلام بتاتا ہے اس کام کو کرنے کا صحیح ترین طریقہ وہی ہے اور جو طریقہ صحیح ہوتا ہے وہ سب سے آسان ہوتا ہے۔ اِسۡتَجِيۡبُوۡا لِرَبِّكُمۡ ۔۔۔ یار! آج تم اللہ کی بات مانو اگر کل تم کہتے ہو کہ اللہ ہماری بات کو قبول فرمائے تو آج اللہ کی بھی تو مانو۔ تم مخلوق اور محتاج ہو، اس کی بات نہیں مانتے تو وہ خالق بے نیاز ہو کر اُسے کیا ضرورت ہے کہ تمہاری بات مانے! مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ يَوۡمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ ۔۔۔ اس سے پہلے مان لو کہ جب وہ وقت آجائے گا جو پھر کبھی ٹلا نہیں کرتا، پھر وہ لوٹا یا نہیں جا سکتا۔ پھر تم واپس دنیا میں نہیں آؤ گے۔ پھر تمہیں ماننے، نہ ماننے کی فرصت نہیں ملے گی۔ اُس سے پہلے پہلے اللہ کی بات قبول کر لو چونکہ وہ وقت جب آئے گا تو مَا لَكُمۡ مِّنۡ مَّلۡجَاٍ يَّوۡمَئِذٍ وَّمَا لَكُمۡ مِّنۡ نَّكِيۡرٍ ﴿۴۷﴾ ۔۔۔ اس دن تو اگر موت آگئی اور تم نے توبہ نہ کی اور تم برائی میں، نافرمانی میں مرگئے تو موت کے بعد نہ تو کوئی توبہ کی گنجائش ہوگی نہ ہی کوئی جائے پناہ ہوگی اور نہ کسی گناہ کا انکار کر سکو گے کہ میں نے ایسا نہیں کیا۔ یہ بھی ممکن نہیں۔ جرم سے بچنے کے دو ہی راستے ہوتے ہیں رشوت دے دے، سفارش کرالے یا اپنے پر جرم ثابت نہ ہونے دے۔ فرمایا، وہاں یہ سب کچھ نہیں ہو سکے گا۔ نہ کوئی سفارشی ہوگا، نہ کوئی رشوت لے گا، نہ جرم چھپایا جا سکے گا: فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا ۔۔۔ ان سب حقائق کو بتانے کے بعد بھی میرے حبیب ﷺ اگر یہ آپ ﷺ کی بات سے رخ پھیر لیں، آپ ﷺ کی بات قبول نہ کریں: فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ عَلَيۡهِمۡ حَفِيۡظًا ؕ ۔۔۔ تو ہم نے آپ ﷺ کو ان پر چوکیدار یا نگہبان نہیں بنایا۔ آپ ﷺ کی ذمہ داری اللہ کا پیغام پہنچانا ہے۔ جو قبول کرے اس کی راہنمائی کرنا ہے۔ جو انکار کرے آپ ﷺ بھی اُس کی پرواہ نہ کریں۔ چونکہ آپ ﷺ اس کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ اِنۡ عَلَيۡكَ اِلَّا الۡبَلٰغُ ؕ ۔۔۔ آپ ﷺ کے ذمے جو ہے وہ ہے اللہ کا پیغام آپ ﷺ پہنچادیں۔ پہنچانا آپ ﷺ کی ذمہ داری ہے، منوانا آپ ﷺ کی ذمہ داری نہیں ہے۔ مبلغ کا، واعظ کا، استاد کا کام ہے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بات پہنچانا، منوانا نہیں۔ پہنچانے اور منوانے میں بڑا فرق ہے۔ یہ آج کی ہماری فرقہ بندی اور لڑائیاں فرقوں پہ کیوں ہو رہی ہیں؟ ہم منوانا چاہتے ہیں کہ جو میں کہتا ہوں وہی مانو حالانکہ یہ شرعی طریقہ نہیں ہے۔ اگر کوئی کفر کرتا ہے تو اللہ نے اسے اختیار دیا ہے، کفر کر کے دیکھ لے۔ انسانی حقوق اُس کے ہیں۔ آپ اسے قتل نہیں کر سکتے، اس کا مال نہیں لوٹ سکتے، تکلیف نہیں دے سکتے، عزت آبرو نہیں لوٹ سکتے۔ انسانی حقوق ہیں۔ جب اللہ کے پاس جائے گا اللہ خود حساب لے لیں گے۔ آپ نے اللہ کی بات پہنچادی، اس نے نہیں مانی، وہ جانے اس کا رب جانے۔ تو فرقہ بندی پہ لڑنے کا اسلام میں تو کوئی جواز نہیں۔ اسلام میں فرقہ ہے ہی کوئی نہیں، ایک ہی فرقہ ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کو ماننے والے سب ایک ہیں۔ جو نہیں مانتا وہ اسلام سے خارج ہے۔ پھر فرقہ کہاں سے آگیا؟ تشریحات میں، فروعات میں جو اختلاف ہوتے ہیں وہ اختلاف نہیں ہوتے۔ اختلاف ہوتے ہیں جو اصول میں اختلاف ہو، اسلام میں اصول میں کہیں اختلاف نہیں۔ تو فرمایا کہ آپ ﷺ کی بات بھی اگر یہ قبول نہیں کرتے تو ہم نے آپ ﷺ کو ان پر کوئی نگہبان یا ان کا محافظ یا ان کا چوکیدار نہیں بنایا۔ آپ ﷺ کا منصب جلیلہ یہ ہے کہ آپ ﷺ اللہ کی بات ان تک پہنچادیں۔ ماننے نہ ماننے کا اختیار میں نے ان کو دیا ہے۔ جو مانے گا، مانے گا۔ جو نہیں مانتا نہ مانے۔ یہاں ایک اعتراض یہ بھی کرتے ہیں کہ پھر نبی کریم ﷺ نے جہاد کیوں کیا اور جنگیں کیوں ہوئیں اسلام میں؟

یہ بات ذرا صاف ہوجانی چاہیے کہ جتنے غزوات عہدِ نبوی ﷺ میں ہوئے اور جتنے سرایا ہوئے۔ غزوہ اور سریہ، جنگ کی دو قسمیں ہیں۔ جس جنگ میں نبی کریم ﷺ نے خود کمانڈ فرمائی، بہ نفسِ نفیس شریک ہوئے، اُسے غزوہ کہتے ہیں۔ جس جنگ میں حضور ﷺ نے کسی کو امیر بنا کر حکم دیا اور بھیجا اسے سریہ کہتے ہیں۔ تو تیرہ (13) برسوں میں غزادات وسرایا کہیں دو سو (200) کے قریب جا پہنچتے ہیں۔ کوئی ایک سریہ، کوئی ایک غزوہ ایسا نہیں جس میں مسلمانوں نے کفار پر چڑھائی کی ہو۔ کافروں نے شرارت کی، مسلمان دفاعی طور پر لڑے۔ سارے غزوات وسرایا، بدر سے لے کر آخر تک دفاعی تھے۔ خلافتِ راشدہ میں جتنی فتوحات ہوئیں، وہ ممالک فتح کیے گئے جنہوں نے اسلام پر حملہ کرنے کی کوشش کی، مسلمان ریاست پر چڑھائی کرنے کی کوشش کی۔ اُن سے جنگ کی گئی، وہ فتح ہوئے۔ ورنہ عہدِ فاروقی میں ایک دور ایسا بھی آیا، بہت بڑی ریاست بن گئی، کوئی حملہ آور باہر نہیں رہا تو جرنیلوں نے پوچھا سیدنا فاروقِ اعظمؓ سے کہ ہم وہ علاقے فتح کر سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اگر وہ آپ پر چڑھائی نہیں کرتے تو آپ کو چڑھائی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لوگوں کو فتح کرنا ہمارا مقصد نہیں ہے، اللہ کا پیغام پہنچانا ہے۔ تو اسلام کی جنگیں، جنگیں نہیں تھیں، دفاعی جنگیں تھیں۔ اپنی حفاظت کی تھیں، جتنی بھی تھیں۔ حضور ﷺ کے عہد میں بھی اور خلافتِ راشدہ میں بھی۔ جب بادشاہ آگئے تو بادشاہوں کے فیصلوں کے ہم ذمہ دار نہیں ہیں۔ اچھے بھی ہوئے، بُرے بھی ہوئے۔ صحیح فیصلے بھی اُنہوں نے کیے، غلط بھی کیے، وہ اور بات ہے۔ جو غلط کیے وہ خلافِ شریعت تھے۔ جو صحیح کیے وہ درست تھے۔ انسانی مزاج یہ ہے، فرمایا: وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ ۔۔۔ ہم دنیا میں تھوڑی سی فراخی انسان کو دے دیتے ہیں، صحت دے دیتے ہیں، دولت دے دیتے ہیں، اقتدار دے دیتے ہیں۔ عہدے دے دیتے ہیں: فَرِحَ بِهَا ۚ ۔۔۔ بڑا پھول جاتا ہے اُس سے، اور پھیل جاتا ہے، خوش ہوجاتا ہے۔ اُسے نہ اللہ نظر آتا ہے، نہ عظمتِ رسالت ﷺ نظر آتی ہے، نہ اللہ کی کتاب کی پرواہ کرتا ہے۔ نہ بھلائی کو سوچتا ہے۔ اور اکڑ جاتا ہے، میرے پاس دولت اتنی ہے، میری گاڑیاں اتنی ہیں، میری جائیداد اتنی ہے، میرے بیٹے اتنے ہیں، میرے پاس حکومت ہے۔ وزارت میرے پاس ہے۔ میں وزیرِ اعظم ہوں میں صدر ہوں۔ اکڑ جاتا ہے اور وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ۝ ۔۔۔ اور اگر اُسی انسان پر اُس کی اس بری سوچ اور غلط ارادوں اور غلط کردار کی وجہ سے مصیبت آجائے تو مصیبت تو اُس کے اپنے کردار، اُس کی فکر، اس کے نظریے سے آتی ہے۔ بس پھر مرنے لگ جاتا ہے، پھر ناشکری کرتا ہے۔ پھر بھی اسے اللہ کی طرف رجوع کرنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ مارے گئے، مر گئے، تباہ ہوگئے، ہمارا تو کچھ نہیں بچا، وہ دیکھو یہ ہوگیا، کل میں وزیرِ اعظم ہاؤس میں تھا آج انہوں نے مجھے حوالات میں بند کردیا۔ پھر بھی یہ نہیں کہتے کہ اللہ میں نے کہاں غلطی کی؟ تختِ شاہی سے حوالات میں کیوں آیا؟ یا اللہ! کوئی ایسی بات ہوئی ہے تو میں توبہ کرتا ہوں لیکن رجوع الی اللہ پھر بھی نہیں۔۔۔ پھر نا اُمید ہوجاتے ہیں جیسے اللہ ہے ہی کوئی نہیں، کوئی اُمید کا راستہ ہی نہیں فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ۝ ۔۔۔ پھر ناشکرے ہوجاتے ہیں۔ اوجی ساڈے نال رب کیتی، ساڈا رب پے کردا، سانوں تاں حکومت چوں چا کے حوالات بھیج دتا، ساڈے نال اللہ کے کر چھوڑیا، حالانکہ یہ نتیجہ ان کے اپنے کردار کا ہوتا ہے، اپنے کیے کا ہوتا ہے۔ بیشمار گناہ معاف ہوتے ہیں اور پھر ہمارے ہاں تو اللہ معاف کرے یہ ہمارا روز کا تجربہ ہے کہ حکمران بھی بنے، وزارتِ عظمیٰ پہ فائز رہے، پھر پھانسی لگ گئے، پھر کوئی جیلوں میں چلے گئے۔ کوئی جیلوں سے نکل کر پھر وزیرِ اعظم بن گئے، پھر ویسے کے ویسے۔ وہ جو سلاخوں کے پیچھے روتے تھے اور چلاتے تھے وہاں ویسے نا اُمید تھے، وہاں بھی کوئی اللہ سے اُمید نہیں تھی اور جب دوبارہ وزیر بنے پھر اکڑ گئے۔ پھر ویسے کے ویسے۔ کوئی عجیب مخلوق ہے یہ؟ فراخی دیتے ہیں تو اکڑ جاتا ہے۔ اپنے کردار کی وجہ سے جب کوئی مصیبت آجاتی ہے تو ویسے ناشکری کرتا ہے اور پھر اللہ پر بہتان تراشی کرتا ہے کہ ساڈا رب کے پے کردا! یہ ساری باتیں کیوں ہوتی ہیں؟ عظمتِ الٰہی اور عظمتِ رسالت ﷺ سے محرومی کے سبب سے۔ کوئی اللہ کو جانتا ہو اپنی حیثیت کے مطابق، کوئی اُس کے رسول ﷺ کو جانتا ہو، عظمتِ رسالت سے آگاہ ہو تو یہ حال نہیں ہوتا۔

شرح مشکوٰۃ المصابیح

الشیخ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ط بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

عن عُمَرَ بْنُ الْخَطَّابِ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيدُ سَوَادِ الشَّعَرِ لَا يُرَى عَلَيْهِ أَثَرُ السَّفَرِ وَلَا يَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ حَتَّى جَلَسَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ إِلَى رُكْبَتَيْهِ وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلَى فَخِذَيْهِ وَقَالَ يَا مُحَمَّدُ أَخْبِرْنِي عَنِ الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْإِسْلَامُ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ وَتَصُومَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنِ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيلًا قَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَعَجِبْنَا لَهُ يَسْأَلُهُ وَيُصَدِّقُهُ قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِيمَانِ قَالَ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ قَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِحْسَانِ قَالَ أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنِ السَّاعَةِ قَالَ مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنْ أَمَارَاتِهَا قَالَ أَنْ تَلِدَ الْأَمَةُ رَبَّتَهَا وَأَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُونَ فِي الْبُنْيَانِ قَالَ ثُمَّ انْطَلَقَ. فَلَبِثْتُ مَلِيًّا ثُمَّ قَالَ لِي يَا عُمَرُ أَتَدْرِي مَنِ السَّائِلُ قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّهُ جِبْرِيلُ أَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِينَكُمْ...

یہ مشکوٰۃ شریف کی دوسری حدیث ہے۔ اِسے حدیثِ جبرائیل بھی کہتے ہیں۔ سیدنا حضرت عمر بن الخطابؓ سے اس کی روایت ہے، فرماتے ہیں ایک دن ہم لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھے یعنی کچھ صحابہ کرامؓ وہاں حضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں بیٹھے تھے۔ ایک شخص ہم پر نمودار ہوا جس کے کپڑے نہایت سفید، بال سخت سیاہ تھے۔ اس پر سفر کا کوئی اثر دکھائی نہیں دیتا تھا۔ لباس براق سفید تھا، سیاہ بال تھے اور سفر کا اثر نہیں تھا۔ کوئی تھکاوٹ یا چہرے پر گردِ سفر ہو یا بال بکھرے ہوں یا کوئی کپڑا میلا ہو یعنی سفر کا کوئی اثر دکھائی نہیں دیتا تھا اور ہم میں سے کوئی اِسے پہچانتا بھی نہیں تھا۔ لگتا یوں تھا جیسے یہیں شہر سے کسی گھر سے اُٹھ کر آ گیا ہے۔ اگر شہر کا بندہ ہوتا تو ہم پہچان لیتے لیکن کوئی پہچانتا بھی نہیں تھا۔ یہاں تک کہ وہ شخص حضور نبی کریم ﷺ کے سامنے اِس طرح بیٹھ گیا کہ اپنے دونوں زانوں آپ ﷺ کے زانوؤں سے ملا دیئے اور اپنے دونوں ہاتھ اپنے زانوؤں پہ رکھ دیئے یعنی آپ ﷺ کے گھٹنے مبارک سے اپنے گھٹنے ملا لیے اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں زانوؤں پہ رکھ لیے اور عرض کیا یا محمد ﷺ مجھے اسلام کے بارے خبر دیجئے۔ حضور ﷺ سے سوال کیا کہ مجھے بتایئے اسلام کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ تو اس حقیقت کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ہیں اور یہ کہ تو پابندی کے ساتھ مسنون طریقہ سے نماز ادا کرے، زکوٰۃ دے، رمضان شریف کے روزے رکھے اور طاقت واستطاعت ہونے کی صورت میں بیت اللہ کا حج کرے۔ اس شخص نے سُن کر کہا آپ نے سچ فرمایا۔ ہمیں اس کی بات سے تعجب ہوا کہ خود ہی سوال کرتا ہے اور خود ہی آپ ﷺ

کی تصدیق بھی کرتا ہے۔

جب حضور ﷺ نے جواب دیا تو اُنہوں نے سُن کر عرض کی کہ آپ نے سچ فرمایا تو حضرت عمرؓ فرماتے ہیں ہمیں بڑی حیرت ہوئی کہ پوچھتا تو وہ ہے جو بات نہیں جانتا اور تصدیق وہ کرتا ہے جو جانتا ہے کہ جو کچھ آپ نے کہا وہ صحیح ہے۔ گویا یہ شخص جانتا بھی ہے۔ بڑی عجیب بات ہے سوال بھی کرتا ہے اور آپ ﷺ کے جواب کی تصدیق بھی کرتا ہے!

یہاں سوال یہ ہے کہ اسلام کیا ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ سب سے پہلے اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ کسی بات کو جاننا اور بات ہے، کسی بات کا آپ کے علم میں ہونا ایک اور بات ہے اور سر عام اُس کی گواہی دینا یہ ایک اور بات ہے۔ جب آپ کسی بات کی گواہی دیتے ہیں، کسی جرم کی گواہی دیتے ہیں تو پھر آپ خود وہ جرم نہیں کرتے، اُس کے قریب نہیں جاتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ چیز پوری طرح آپ کے علم میں ہوتی ہے گویا آپ نے دیکھ رکھی ہے، سمجھ رکھی ہے کہ ایسا ہی ہوا ہے تب آپ گواہی دیتے ہیں۔ قطعی یقین ہوتا ہے کہ یہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں یہ حق ہے پھر آپ اُس پہ گواہی دیتے ہیں۔ اللہ کی بارگاہ میں جھوٹی گواہی تو نہیں دینی ، کسی جھوٹ پر گواہی دینا تو بجائے خود جرم ہے اور اُس کی شرعی سزا ہے، درّے مارے جاتے ہیں۔ فقہاء یہ لکھتے ہیں کہ کوئی شخص یہ کہے کہ میں جانتا ہوں اللہ ایک ہے اور حضرت محمد ﷺ اُس کے رسول ہیں تو اس جاننے سے وہ مسلمان نہیں ہوتا۔ جانتے تو سارے کافر تھے۔ گواہی دے، شہادت دے میں اعلان کرتا ہوں، میں اس بات کا گواہ ہوں۔ جس بات کی بندہ شہادت دیتا ہے اُس پر اُسے جم کر رہنا پڑتا ہے کہ اللہ واحد ہے، لاشریک ہے اور صرف اللہ کی عبادت کی جائے گی۔ اُس کی عبادت میں کوئی اُس کا شریک نہیں اُس کی ذات میں، اُس کی صفات میں کوئی شریک نہیں۔ وہ واحد ہے، لاشریک ہے اور صرف اللہ کی عبادت کی جائے گی۔ اُس کی عبادت میں کوئی اُس کا شریک نہیں، اُس کی ذات میں، اُس کی صفات میں کوئی شریک نہیں۔ وہ واحد ہے، لاشریک ہے۔

اس حقیقت پہ گواہی دینے کا مطلب یہ ہے کہ جو گواہی دے رہا ہے اُس لمحے سے لے کر مرنے تک اُس کی زندگی اُس گواہی پہ جم جائے، اپنی گواہی کی تصدیق کرے۔ اسلام کی بنیاد اس بات پر ہے کہ آپ توحید باری پر زندگی گزار دیں پھر کوئی شک نہ گزرے، پھر کوئی اور قبلہ نہ بنالیں، کسی اور کی خوشامد نہ کریں۔ کسی اور کو خوش کرنے کے لیے اللہ کی نافرمانی نہ کریں۔ لَاطَاعَةَ الْمَخْلُوْقِ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ (مسند بخاری) مخلوق کی اطاعت، اللہ کی نافرمانی کر کے نہیں کی جائے گی۔ اللہ کی اجازت کے اندر ہوگی، اُس سے باہر نہیں ہوگی۔ اسی طرح مخلوق سے اُمیدیں نہیں رکھی جائیں گی، ساری اُمید اللہ سے ہوگی۔ وہ مسبب الاسباب ہے، اُس نے ہی ظاہری اسباب بنائے ہیں۔ آپ کو کوئی بیماری ہے، کوئی تکلیف ہے، افلاس ہے، کوئی دکھ ہے تو اُس کے ظاہری اسباب اختیار کرنا سنت ہے اور ضروری ہیں۔

اعتماد اللہ پہ ضروری ہے۔ یہ بھی مت جانے میرے اِس سبب سے کام ہو جائے گا۔ کام اللہ نے کرنا ہے، تب ہونا ہے۔ سبب اس لیے اختیار کرنا ہے کہ اللہ کا حکم ہے کہ سبب اختیار کرو۔ دعا اِس لیے مانگنی ہے کہ اللہ کا حکم ہے کہ دعا مانگو۔ اُس بات پہ راضی ہے، خوش ہے لیکن ہماری دعاؤں سے نظامِ کائنات تبدیل نہیں ہوگا۔ ہوگا وہی جو وہ چاہے گا اور ایمان اس چیز کا نام ہے۔ اللہ کی توحید پہ ایمان یہ ہے کہ آپ اللہ کی مان کر رہیں، اللہ سے منوا کر نہیں۔ ہم چار دن نماز پڑھ لیں تو پھر کہتے ہیں میری دعا کیوں قبول نہیں ہوتی؟ جو میں کہتا ہوں وہ ہونا چاہیے۔ کیا تم نمازیں پڑھ کر اللہ بن گئے ہو، اللہ کے شریک ہو؟ ہوتا وہ ہے جو اللہ کریم چاہتے ہیں۔ ہم مکلف ہیں کہ دنیوی طور پر، جس چیز کو ہم جیسا سمجھتے ہیں کہ اس طرح بہتر ہے اور وہ شریعت کے مطابق ہو تو اس کے لیے اسباب اختیار کریں۔ دعا مانگیں، دعا کریں، وسائل اختیار کریں لیکن یہ یقین رکھیں کہ ہوگا وہ جو اللہ کریم چاہتے ہیں، یہ بنیاد ہے اسلام کی۔

اس بات کی بھی گواہی دے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اب اس بات کی گواہی دینا، ایک بندہ کہتا ہے میں جانتا ہوں حضور ﷺ رسول ہیں، وہ اور بات ہے۔ ایک سر عام اعلان کرتا ہے میں اس بات کا گواہ ہوں کہ حضور ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اب یہ گواہ

جو ہے وہ اُس دائرۂ رسالت کے احکام سے باہر نہیں جاسکتا۔ باہر جائے گا تو اپنی اُس گواہی کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ ایک معاہدہ ہوجائے گا کہ میں آپ ﷺ کو اللہ کا رسول مانتا ہوں، اس لیے آخری دم تک حضور ﷺ کی اطاعت کے دائرے کے اندر رہوں گا، ماننا تو یہ ہے۔ زبانی کہہ دے مانتا ہوں اور آپ ﷺ کے احکام پر، سنتوں پر اور ارشادات پر عمل نہ کرے تو اُس نے کیا مانا؟

کلمۂ شہادت اسلام میں داخلے کی بنیاد ہے۔ مسلمان ہونے کے لیے اسلام کی حقیقت پر گواہ بننا پڑتا ہے۔ اللہ کی توحید پر، حضور ﷺ کی رسالت پر گواہی دینا ہوتی ہے اور ہر مسلمان اس کی شہادت دیتا ہے۔ جب اللہ کی توحید کی گواہی دی، حضور ﷺ کی رسالت کی گواہی دی تو اب اللہ کی طرف سے نماز فرض ہے، اُسے پوری باقاعدگی کے ساتھ، مسنون طریقے سے، وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ، نماز کو قائم کرے۔ قائم کرنا یہ ہے کہ اُس کی تمام شرائط پوری کرتے ہوئے، ہر وقت پوری پابندی سے ادا کی جائے۔ وقت گزاری کے لیے نہیں، بھاگتے دوڑتے نہیں، ٹوٹل پورا کرنے کے لیے نہیں۔ یاد رہے، جب نماز فرض ہوتی ہے تو اُس کے لیے وضو فرض ہوجاتا ہے ورنہ وضو تو فرض نہیں ہے، نفل ہے۔ اگر کوئی باوضو رہتا ہے تو بہت اچھی بات ہے لیکن وضو فرض نہیں ہے کہ ہر وقت باوضو رہے۔ لیکن جب نماز فرض ہوتی ہے تو اُس کے لیے وضو، اُس کے واسطے سے فرض ہوجاتا ہے۔ وضو کے لیے پانی کا تلاش کرنا فرض ہوجاتا ہے۔ قبلے کا تلاش کرنا فرض ہوجاتا ہے۔ کپڑے پاک پہننا فرض ہوجاتا ہے۔ یہ وہ فرائض ہیں جو نماز کے واسطے سے فرض ہوتے ہیں تو اگر وضو فرض ہوگیا، لباس فرض ہوگیا، قبلہ رو ہونا ضروری ہے تو قبلہ تلاش کرنا فرض ہوگیا۔ پھر پورے خلوص اور خشوع و خضوع سے نماز ادا کرنا بھی فرض ہوگیا۔ جب تکبیر کہتا ہے، اللہ اکبر تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ساری دنیا سے کٹ گیا۔ دنیا ایک طرف چلی گئی اب وہ اکیلا، یکہ و تنہا اللہ کی بارگاہ میں کھڑا ہے۔ اب اُس کی اور اُس کے ربّ العالمین کی بات ہورہی ہے۔ اپنی گزارشات پیش کر رہا ہے۔ اللہ کی حمد و ثناء کر رہا ہے۔ اللہ کے نبیؐ پہ درود بھیج رہا ہے۔ اپنے دکھ، اپنی تکلیفیں بیان کر رہا ہے، وعدہ کر رہا ہے۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ (الفاتحہ: 4)۔ اللہ میں صرف تیری عبادت کرتا ہوں، پکی بات ہے، تیرے سوا کسی کے آگے نہیں جھکتا وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (الفاتحہ: 4) تیری ہی ساری امداد ہے مجھے، مجھے اور کسی سے کچھ نہیں لینا، تو ہی میرا معاون و مددگار ہے۔ طلب کر رہا ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (الفاتحہ: 5) مجھے سیدھا راستہ دکھا، اُن لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا۔ اُن لوگوں کی راہ جن پر تیرا غضب ہوا یا جو گمراہ ہوگئے۔ اُن کی راہ سے بچا۔ تو بندہ اپنی یہ گزارشات پیش کر رہا ہے۔

ہم دنیا میں، عدالت میں جاتے ہیں کسی جج کے سامنے اپنی بات، اپنا بیان دینے تو توجہ ساری اُس بیان اور جج اور عدالت کی طرف ہوتی ہے یا پیچھے یاد آرہا ہوتا ہے کہ گھر میں کچھ بھیڑیں بھی تھیں، کچھ بکریاں بھی تھیں یا اُنہیں کسی نے پانی پلایا بھی یا نہیں۔ کچھ یاد آتی ہے بات؟ یا دکان بند کر کے آیا ہوں اُس کا کیا ہوگا؟ کوئی بات ذہن میں نہیں آتی۔ صرف جج کے سامنے ہونے کا احساس ہوتا ہے اور اپنے بیان کی طرف توجہ ہوتی ہے کہ کوئی لفظ غلط نہ نکل جائے، یہی ہوتا ہے۔ پھر اللہ کی بارگاہ میں نماز ادا کرتے ہوئے کیوں یہ حضوری حاصل نہیں ہوتی؟ کہ میں ہوں اور میرا ربّ ہے اور میں اپنی گزارشات پیش کر رہا ہوں۔

زکوٰۃ کا مطلب ہے پاکیزگی، طہارت۔ زکوٰۃ اس مال پر ہے جو سال بھر آپ کی ضرورت سے زائد رہا ہو۔ جو آپ کی ضرورت کا ہے، وہ آپ کے استعمال کا ہے، ٹھیک ہے۔ جو ضرورت سے زائد آپ کی ملکیت میں ہے اُس پر چالیس روپوں میں سے ایک روپیہ آپ اللہ کی راہ میں کسی مستحق زکوٰۃ کو دیں۔ باقی انتالیس روپے آپ کے ہیں۔ یہ ایک روپیہ جو آپ اللہ کے نام پر دیں گے وہ اُنتالیس کو پاک کر دے گا، اُن میں برکت پیدا کر دے گا۔ اس طرح زکوٰۃ کا معنیٰ زیادتی اور بڑھوتری کا بھی ہے یعنی زکوٰۃ ادا کرنا۔ مال کو پاک کر دیتا ہے اور باقی مال میں اللہ کریم کی طرف سے برکت عطا کر دی جاتی ہے۔

اصل مال تو سارا ہی اللہ کا ہے۔ اُس نے کہا تُو سارا رکھ لے، صرف چالیسواں حصہ میرے نام پر مستحق کو دے دے۔ ہم اپنی زمین کسی کو دیتے ہیں، اُسے کہتے ہیں مجھے نصف پیداوار یا بہت زیادہ رعایت کرتے ہیں، کہتے ہیں، دو حصے تُو رکھ لے مجھے تیسرا دے دے۔

اس سے کم پہ کوئی نہیں آتا۔ وہ فرماتا ہے تُو اُنتالیسواں حصہ رکھ لے مجھے چالیسواں دے دے۔ تُو چالیسواں حصہ اپنے مال کا مجھے دے گا تیرے باقی مال کو میں اور بڑھادوں گا۔ پاکیزہ ہوجائے گا، حلال ہوجائے گا اور زیادہ ہوجائے گا۔

وَتَصُومَ رَمَضَانَ۔۔۔ نماز ادا کرے، زکوٰۃ دے اور رمضان شریف کے روزے رکھے یہ رَمْضَن سے مشتق ہے رَمْضَن کہتے ہیں جلانے کو، گرم کرنے کو۔ کسی چیز کو بہت، ایسا گرم کیا جائے آگ میں کہ سرخ ہوجائے آگ ہی بن جائے تو رمضان شریف میں چونکہ نفس کو جلایا جاتا ہے، اوصافِ ملکوتی اختیار کی جاتی ہیں، روح کی تقویت ہوتی ہے، فرشتوں جیسے اوصاف کھانا نہیں ہے، پینا نہیں ہے۔ روزے کے دوران جماع نہیں کرنا، یہ نہیں کرنا، وہ نہیں، بہت سی پابندیاں ہیں جن سے نفس کمزور پڑتا ہے اور روح کو قوت ملتی ہے، تقویت ملتی ہے تو نفس ایک بھٹی میں چڑھا کر گلایا جاتا ہے تاکہ یہ کمزور ہوجائے اور روح طاقتور ہوجائے۔ تو فرمایا، اس شہادت کا تقاضا یہ ہے کہ رمضان شریف میں روزے رکھے۔ علمائے حق فرماتے ہیں کہ روزہ صرف پیٹ کا یا منہ کا نہیں ہے تمام اعضاء کا روزہ ہے۔ جس طرح کوئی اپنی بیوی کے پاس روزے کی حالت میں نہیں جاسکتا، اسی طرح زبان کا بھی روزہ ہے کہ جھوٹ نہ بولے، بدکلامی نہ کرے۔ کان کا بھی روزہ ہے کہ جھوٹ یا بدکلامی، سنے نہیں۔ آنکھوں کا بھی روزہ ہے کہ بے حیائی، دیکھے نہیں۔ تمام اعضاء و جوارح کا روزہ ہے۔ کوئی بُری چیز کسی راستے سے اندر داخل نہ ہو، سب دروازے بند کر کے بیٹھ جائیں، صرف اللہ سے رابطہ ہو۔ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنِ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيْلاً۔۔۔ اور بیت اللہ شریف کا حج کرے اگر اُس کے کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔ طاقت سے مراد یہ ہے کہ اُس کے آنے جانے کا خرچ اُس کے پاس ہو۔ اُس کی صحت اُس کا ساتھ دے رہی ہو۔ جتنا عرصہ حج پہ رہنا ہے اُس میں بال بچے یا والدین یا جو اُس کا کنبہ ہے اُس کے اخراجات پیچھے دے کر جانے کے قابل ہو اور وہ اُنہیں دے کر جائے تو اُس پر حج فرض ہے۔ جس کے پاس یہ وسائل نہیں ہیں اُس پر حج فرض نہیں ہے۔ ہر بندے کو یہ شوق لگا ہوا ہے کہ فرض تو نہیں ہے پر مجھے جانا چاہیے۔ چلو حج تو مہنگا ہوتا ہے کم از کم پونے چار، چار لاکھ روپیہ لگتا ہے، عمرہ سستا ہوجاتا ہے، ایک لاکھ میں بھی بندہ آجاسکتا ہے، عمرہ ہی کر لیتے ہیں۔ اُن سے یہ پوچھا جائے کہ آپ پر یہاں جو فرائض ہیں وہ آپ نے پورے کر لیے؟ نماز فرض ہے وہ باقاعدگی سے پوری ہورہی ہے؟ روزہ فرض ہے، زکوٰۃ فرض ہے۔ یہاں جو آپ کے فرائض ہیں وہ چھوڑ رہے ہو تو جو فرض نہیں ہے اُس کے لیے بھاگنے کی کیا ضرورت ہے؟

محض مکہ مکرمہ جانے سے بات نہیں بنتی۔ ابوجہل مکہ مکرمہ میں ہی رہتا تھا۔ مشرکین جو شرک پر مرے اور جو بدر و اُحد میں کٹ مرے مکہ مکرمہ ہی میں رہتے تھے، اُنہیں کیا فائدہ ہوا؟

خالی مکہ جانا مقصد نہیں ہے۔ ایمان اور اطاعت کے ساتھ جانا مقصد ہے تب مکہ مکرمہ کے فیوضات بھی ملتے ہیں۔ جن پر فرض نہیں ہے وہ سب سے زیادہ پریشان ہیں۔ دعا کرو اللہ مجھے اتنے پیسے دے میں حج کروں، کیوں دعا کریں، خوامخواہ دعا کریں۔ بھئی جب تیرے پاس ہوں گے، کرآنا۔ جب تجھ پر فرض ہی نہیں ہے تو ان رعایتوں سے فائدہ اٹھا جو اللہ نے دی ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص بروقت جامع مسجد میں آئے اور سکون سے جمعہ پڑھے تو اُس کو حج کا ثواب مل جاتا ہے۔ صاحبِ حیثیت پر زندگی میں ایک بار فرض ہے۔ امیر ایک بار حج کرتا ہے اور غریب مہینے میں چار دفعہ کرلیتا ہے تو آپ یہاں کیوں نہیں کرتے؟ یہاں تو باہر بیٹھے رہتے ہیں۔ آخری رکعت میں کبھی پہلی رکعت میں آکر ملتے ہیں۔ چھوڑو جی پہنچ جائیں گے جب نماز کھڑی ہوگی۔ جن پر حج فرض نہیں ہے اُنہیں شوق ہونا چاہیے، دعا کرنی چاہیے، ذاتی وسائل پیدا کرنے چاہئیں اللہ کی اطاعت مقصود ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا حکم ماننا ضروری ہے۔ بھاگ کر مکہ مدینہ چلا جانا ضروری نہیں ہے۔ ہاں! آپ پر فرض ہوگیا ضرور جائیں۔ پیسے ہیں، فرض ادا کرلیں، نفلی حج کریں، عمرے کریں، ٹھیک ہے لیکن فرض چھوڑ کر پہلے عمرہ نہ کریں پہلے حج ادا کریں۔ عمرہ نفل ہے، حج فرض ہے۔ عمرہ فرض نہیں ہے، فرض اصل ہوتا ہے۔ جیسے آپ کوئی سرمایہ دس لاکھ لگاتے ہیں کسی کاروبار میں، آپ کو بارہ لاکھ ملتے ہیں تو دو لاکھ جو ہیں وہ نفل ہے۔ دس لاکھ آپ کا اپنا لگا تھا، یہ فرض ہے۔ وہ دس لاکھ کسی نے چھوڑ دیے، دو

لاکھ پر خوش ہے۔ منافع آ گیا وہ منافع ہے یا اُسے نقصان ہوا؟ نفل تب منافع ہے جب فرض پورے ہوں۔ اصل رقم پوری ہو تو منافع تب منافع ہے۔ منافع میں دو لاکھ آیا، دس لاکھ کوئی کھا گیا، اُس نے واپس ہی نہیں کیے تو دس میں سے دو بچے آٹھ تو پلے سے گئے تو وہ اِس پر خوش رہے منافع ہو گیا، منافع تو نہیں ہوا۔ نفلی عبادات منافع ہیں، فرض عبادات یہ اصل ہیں۔ بیت اللہ جانے کی توفیق ہو، ضرور جائیں اللہ آپ کو توفیق دے۔ اطاعت کی توفیق دے، خلوص سے جائیں اور صدقِ دل سے جائیں لیکن فرض ہو اور وسائل ہوں تو جائیں پھر عمرے کریں۔ فرض ادا کرنے کے بعد ہزاروں عمرے کریں۔ جتنے پیسے ہیں نفلی عمرہ کرتے رہیں پھر ہر سال حج کرتے رہیں اور یہ جو بھاگ کر عمرہ کرتے ہیں اور حج نہیں کرتے انہیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ اگر کوئی غیر حاجی باہر سے مکہ مکرمہ پہنچتا ہے تو اُس پر حج فرض ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ یہ ثابت ہو گیا کہ یہ مکہ مکرمہ، بیت اللہ، حرم تک آ سکتا ہے، واپس جا سکتا ہے۔ یہ تو ثابت ہو گیا جب یہ ثابت ہو گیا تو حج تو فرض ہو گیا۔ حج تو کرتے ہی نہیں صرف عمرے کرتے ہیں گویا اصل ضائع ہوتا رہا اور منافع پہ خوش رہے۔ بھئی اصل پورا ہو اُس پہ منافع ہوتا ہے۔ اصل ہی ضائع ہو تو منافع کہاں سے آ گیا؟ یہاں بھی حضور ﷺ کا ارشاد یہ ہے وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنْ اسْتَطَعْتَ۔۔۔ بیت اللہ شریف کا حج کرے اگر استطاعت ہو تو! اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۔۔۔ اگر اُسے آنے جانے میں۔ وہاں اتنی قوت اللہ دے، صحت ٹھیک ہو، اتنا آنے جانے کے اخراجات ہوں، پیچھے رہنے والوں کے اخراجات ہوں تو ضرور اُس کا حج کرے، فرض ہو گیا اُس پر۔

قال صدقت فَعَجِبْنَا لَهُ يَسْأَلُهُ وَيُصَدِّقُهُ۔۔۔ اُس بندے نے فرمایا، آپ نے سچ فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ہم بڑے حیران ہوئے کہ یہ سوال پوچھتا ہے پھر اُس کی تصدیق بھی کرتا ہے۔ عجیب بات ہے کیونکہ کہ جو بندہ نہیں جانتا وہ پوچھتا ہے۔ تصدیق جو جانتا ہے وہ کرتا ہے۔ تو یہ سوال بھی کرتا ہے تصدیق بھی کرتا ہے۔ سمجھ نہیں آتی یہ کیسا بندہ ہے!

تو یہ اسلام ہے یعنی ارکانِ اسلام جو ہیں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، شہادت بنیاد ہے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج یہ چار ارکان ہیں۔ یہ پانچوں مکمل ہوں تو مسلمان بنتا ہے۔ انہیں اسلام کے ستون بھی کہا گیا ہے کہ یہ عمارت کے نیچے پانچ ستون ہیں جن پر اسلام کی عمارت کھڑی کی گئی ہے۔ تو ان میں سے آپ نے نماز چھوڑ دی ایک ستون گرا دیا۔ حج فرض ہے، نہیں کیا، دوسرا ستون گر گیا۔ زکوٰۃ وقت پر نہیں دیتے مال کی، تیسرا بھی گر گیا۔ روزہ نہیں رکھتے چوتھا بھی گیا۔ اب ایک ستون پر تو عمارت کھڑی نہیں رہے گی۔ آپ نے اگر ستونوں پہ چھت ڈال کر اُس پر اپنا رہائشی کمرہ بنایا ہو تو کیا آپ چاہیں گے کہ نیچے کوئی ایک ستون بھی گر جائے؟ عمارت اتنی کمزور ہوگی جتنے ستون گریں گے۔ یہ ستون ہیں اسلام کی عمارت کے، یہ جتنے مضبوط ہوں گے، اتنے مفید ہوں گے۔ جتنے خشوع وخضوع سے نماز پڑھے گا، جتنی خوش دلی سے زکوٰۃ دے گا۔ جتنے خشوع وخضوع سے روزہ رکھے گا، جتنے صدق سے حج کرے گا، اتنا اُس کا اسلام مضبوط ہوگا۔

دوسرا سوال اُنہوں نے عرض کیا: قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِيمَانِ۔۔۔ یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں ایمان کے بارے بتائیے، ایمان کیا ہے؟ اسلام تو ہو گیا کہ شہادت دے کہ اللہ واحد ولاشریک ہے حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز ادا کرے، روزہ رکھے، زکوٰۃ دے، حج کرے اگر استطاعت ہو یہ تو اسلام ہو گیا۔ تو ایمان کیا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ۔۔۔ پہلی بات یہ ہے کہ وہ اللہ کو مانے جیسا وہ ہے۔ جب تک کہیں حضور اکرم ﷺ کا پیغام نہیں پہنچا وہاں یہ شرط نہیں ہے کہ ویسا مانے جیسا ہے۔ وہاں یہ شرط ہے مانے کہ اللہ ہے، وہاں مظاہرِ قدرت ہیں، سورج روز نکلتا ہے، ڈوبتا ہے، سبزہ اُگتا ہے، بارشیں برستی ہیں، کائنات کے نظام کو چلتا ہوا دیکھ کر اندازہ کر لے کہ اِسے بنانے والا، چلانے والا، کوئی ہے۔ اُس کی نجات کے لیے کافی ہے۔ لیکن جہاں حضور ﷺ کا پیغام پہنچا پھر ضروری ہو گیا کہ اللہ کو ویسا مانا جائے جیسا وہ ہے اور بتاتے ہیں، رسول اللہ ﷺ۔ اسی لیے ہمارے فقہائے کرام فقہ کی کتابوں میں لکھتے ہیں

کہ بچہ جب ہوش سنبھالے تو اُسے یہ بتاؤ کہ میں اللہ کو ویسا مانتا ہوں جیسا حضرت محمد ﷺ بن عبداللہ جو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ وہ منواتے ہیں یعنی اللہ کو ایسا ماننا جیسا اللہ کے رسول ﷺ نے اللہ کی تعریف فرمائی ہے، یہ ایمان ہے۔ ایمان کی بنیاد ہے۔ پھر ایمان کی دوسری بات ہے: وَمَلٰئِکَتِهٖ --- فرشتوں پر یقین لانا کہ فرشتے ہیں جیسا رسول اللہ ﷺ نے، قرآن نے، خبر دی کہ اللہ کی مخلوق ہے، نوری مخلوق ہے۔ اُن کے ذمے جو ذمہ داریاں اللہ لگاتا ہے، ادا کرتے ہیں۔ کبھی اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے۔ امورِ دنیا چلانے پر بھی متعین ہیں۔ جنت کا نظام بھی اُن کے ہاتھ میں ہے، دوزخ کا نظام بھی چلا رہے ہیں، زمین و آسمانوں کا نظام بھی چلا رہے ہیں۔ اللہ کی ایک مخلوق ہے۔ اس کی تعداد اللہ ہی جانتا ہے۔ کتنے صرف اُس کی عبادت میں ہی ہیں، کتنی مخلوق فرشتوں کی ہے جو صرف رکوع میں تسبیح کر رہی ہے۔ کتنے ہیں جو ہمہ وقت سجدے میں ہیں۔ کتنے ہیں جو ہمہ وقت قیام میں ہیں، تو کتنے ہیں جو کائنات کے نظام کو چلانے پہ لگے ہیں۔ یہ ماننا بھی ضروری ہے۔ روح قبض کرتے ہیں۔ روح کو لے جاتے ہیں۔ حساب کتاب لکھنے والے ہمارے ساتھ کراماً کاتبین ہیں۔ ملائکہ پر یقین لانا شرطِ ایمان ہے۔

وَکُتُبِهٖ --- اور اس کی کتابوں پر ایمان لائے۔ ان تمام کتابوں پر ایمان لائے جو گذشتہ انبیائے کرام پر نازل ہوئیں --- اور قرآن حکیم پر، جو رہتی دنیا تک کے لیے اللہ کا کلام ہے۔ وَرُسُلِهٖ تمام رسولوںؑ کو، تمام نبیوںؑ کو سچا نبیؑ ماننا شرط ایمان ہے۔ آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک، بعض حضرات کے قول کے مطابق ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم وبیش، جتنے نبیؑ اور رسولؑ گزرے ہیں سب کو اللہ کا برحق نبیؑ ماننا، ایمان کی بنیاد ہے۔ اطاعت اور اتباع صرف محمد رسول اللہ ﷺ کا ہوگا۔ ایمان سب نبیوںؑ کی نبوت کے اوپر یقینی طور پر ہوگا۔

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ --- آخرت کے دن پر، ایمان لانا، شرط ایمان ہے۔ قیامت کے دن پر، اِس بات پر یقین کہ موت کے بعد ایک حیات ہے، برزخ ہے، قبر کا عذاب وثواب ہے، پھر میدانِ حشر میں جمع ہونا ہے۔ بعض لوگ اس پر سوال کرتے ہیں اور بعض تو قبر کے عذاب وثواب کا انکار ہی کر دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ انکار شرطِ ایمان کے خلاف ہے۔ ایمان کی شرائط میں سے ہے کہ اِسے مانا جائے۔ بعض کہتے ہیں جنت دوزخ میں تو قیامت کے بعد داخلہ ہوگا اور برزخ تو موت سے لے کر قیامت تک کا عرصہ ہے۔ اب آدم علیہ السلام کے زمانے میں بھی لوگ فوت ہوئے، پتا نہیں کتنا عرصہ گزر گیا، وہ برزخ میں ہیں۔ جو مرتا ہے، برزخ میں ہے تو یہاں عذاب وثواب کیسا؟ تو سمجھ لیجیے، برزخ انتظار گاہ ہے۔ ساری مخلوق کے حساب وکتاب کے لیے اللہ نے ایک دن مقرر کر دیا ہے اور وہ ہے یومِ قیامت۔ قیامت کا دن کہلاتا ہے۔ ایک ہی دن ہے، خواہ وہ ہزاروں برسوں سے بڑا ہو لیکن دن ایک ہی ہے۔ ایک ہی دن ہوگا۔ اب وہاں سب کو، مرنے والوں کو، انتظار گاہ میں رہائش دے دی جاتی ہے کہ قیامت تک تم یہاں انتظار کرو۔ جیسے آپ یہاں دیکھتے ہیں کچہریوں میں بھی انتظار گاہ ہوتی ہیں۔ اسٹیشنوں پر بھی، بسوں کے اڈوں پر بھی، ویٹنگ روم بنے ہوتے ہیں۔ اب آپ نے دیکھا کہ عدالت میں دو طرح کی انتظار گاہ ہوتی ہے۔ مجرم اور قیدی جو آتے ہیں اُن کے لیے وہاں حوالات بنی ہوتی ہے، وہ بھی تو انتظار گاہ ہے۔ وکیلوں کو انتظار کرنا پڑتا ہے تو اُن کے لیے کمرہ ہے، اُس میں پنکھے، کولر لگے ہوتے ہیں، اے سی وغیرہ، کرسیاں میز، وہ وہاں انتظار کر رہے ہوتے ہیں۔ برزخ انتظار گاہ ہے، جس درجے کا بندہ جاتا ہے برزخ میں اُس کا ایسا انتظام کر دیا جاتا ہے۔ جس درجے کا جنتی ہے اس درجے کی نعمتیں وہاں برزخ میں، اُسے دے دی جاتی ہیں۔ اعلیٰ کو اعلیٰ، اُس سے کم کو، کم۔ اسی طرح مجرموں کے لیے وہاں حوالاتیں ہیں۔ کفر پر جو مرتا ہے یا اللہ کی گرفت میں آ کر جو مرتا ہے تو اُس کے لیے وہاں بھی حوالات ہی ہے۔ اُس کے لیے دوزخ کے عذاب وہاں سجا دیئے جاتے ہیں، یہ انتظار گاہ کا اہتمام ہے۔ اسی لیے حضورِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے اَلْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ اَوْحُفْرَةٌ مِّنْ حُفَرَ النَّارِ (مسند احمد) اوکما قال رسول اللہ ﷺ کہ قبر دو حالتوں سے خالی نہیں ہے یا جنت کا باغیچہ ہے یا دوزخ کا گڑھا ہے۔ جس کھاتے کا بندہ ہو ویسا وہاں انتظام ہو جاتا ہے۔

جنت اور دوزخ میں داخلہ قیامت کے بعد ہوگا لیکن انتظارگاہ اُس درجے کی بنا دی جاتی ہے۔ اس پر بھی ایمان ہو۔ تو بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ اور یہ بھی ایمان ہو کہ اچھی چیزیں، نعمتیں ہمیں پسند آئیں، وہ بھی اللہ کی طرف سے ہیں، جو ناپسندیدہ چیزیں ہیں، ہمیں پسند نہ آئیں، وہ بھی اللہ کی طرف سے ہیں۔ ہر بھلائی یا ہر مصیبت، اُن کا مالک، سب کا وہی ہے۔ ہم صحت چاہتے ہیں، بیماری آگئی، بیماری بھی اُسی کی طرف سے ہے۔ صحت بھی اُسی کی طرف سے ہیں۔ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ۔۔۔ تقدیر میں نیکی، برائی، اچھائی برائی، سکھ دکھ سب اللہ کی طرف سے ہے، وہ قادر ہے۔ سب فیصلے اُس کے ہیں۔ اگر یہ یقین ہو جائے تو زندگی آسان ہو جاتی ہے۔ بیماری آگئی تو بیماری بھیج دی۔ میں کمزور ہوں، مجھ پر رحم فرما، مجھے صحت دے دے، تو بندے کو سکون رہتا ہے لیکن یہاں یہ نہیں سمجھا جاتا، یہاں یہ کہا جاتا ہے، پڑوسن نے جادو کر دیا، فلاں نے تعویذ لکھ دیا۔ جن کا یقین نہیں انہوں نے یہ سمجھا ہوا ہے۔ کچھ لوگوں کا یہ روزگار اور پیشہ بن گیا۔ فوراً اُن کے پاس جاتے ہیں اور عجیب بات ہے پھر مجھے ای میل کرتے ہیں کہ مجھے عامل نے یہ بتایا ہے۔ میں کہتا ہوں جب تم اُدھر گئے ہو تو مجھے کیوں تنگ کرتے ہو؟ جب تمہارا اللہ پر ایمان نہیں ہے تو میرا تمہارے ساتھ کیا رشتہ؟ میرا تعلق تو اللہ کے حوالے سے ہے۔ میں تو تمہیں اللہ کا بندہ سمجھ کر تعلق رکھتا ہوں، میرا تمہارے ساتھ یہ رشتہ ہے۔ جب تمہارا تعلق اللہ سے نہیں ہے، عاملوں سے ہے پھر میرے سے کیا تعلق۔ کہتے ہیں فلاں نے جادو کر دیا ہے۔ یہ بتاؤ کوئی جادوگر تقدیرِ الٰہی میں مداخلت کر سکتا ہے؟ اللہ جس کو صحت دے، جادوگر اُس کو بگاڑ سکتا ہے؟ جسے اللہ بیمار کر دے اُسے جادوگر ٹھیک کر سکتا ہے؟ تو پھر جانے کا فائدہ کیا؟ کیا جادوگر خود بیمار نہیں ہوتے؟ اُن پر جادو کون کرتا ہے؟ وہ خود مرتے نہیں جاتے، اُنہیں کون مارتا ہے؟ وہ کم از کم مرتے تو نہیں اُس کا علاج تو کر لیتے۔ ہمیں جادو تعویذ سکھاتے ہیں تو کوئی ایسا تعویذ دھاگا کر لیتے، خود نہ مرتے۔

میں حیران ہوتا ہوں امریکہ سے، کینیڈا سے، برطانیہ سے، بہت زیادہ۔ کل دوحہ قطر سے ایک بچی کا فون تھا، وہ مجھے عاملوں نے بتایا ہے۔ خدا کا خوف کرو۔ یہ تم ہی جاہل قوم ہو؟ ان کو تو کافر بھی نہیں مانتے۔ کوئی انگریز، کسی عامل کے پاس نہیں جاتا۔ جو اللہ کو نہیں مانتے، اللہ کے بندے کو خدا مان کر بیٹھے ہیں، وہ بھی اِن کے پاس تو نہیں جاتے۔ تم اللہ کو مان کر پھر جادوگروں کے پاس جاتے ہو!

بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ۔۔۔ بھلائی یا نہ بھلائی سب اُس کی طرف سے ہے۔ سکھ، دُکھ سب اُس کی طرف سے ہے اور اُس نے تمہیں دن میں پانچ مرتبہ بات کرنے کی اجازت دی ہے بلکہ بات نہ کرو تو وہ ناراض ہوتا ہے۔ آپ کسی سے مانگنے جائیں اور بار بار مانگنے جائیں تو وہ ناراض ہوتا ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں مانگنے جائیں، جتنی بار زیادہ جائیں وہ اور خوش ہوتا ہے۔ پانچ بار تو اُس نے لازمی کر دیا ہے کہ ضرور آئیں۔ آپ پچاس بار جائیں۔ نوافل پڑھتے رہیں، بارگاہ میں دعائیں کرتے رہیں۔ وہ اور خوش ہوتا ہے کہ مانگو اور مانگو اور مانگو۔ وہ محروم نہیں رکھتا۔

اللہ کے رسول ﷺ کا یہ معجزہ بھی ہے کہ آپ نے ساری زندگی وصالِ مبارک تک کسی سوال کرنے والے کو لا نہیں کہا، نہیں، نہیں کہا، نہ نہیں کی۔ اگر اللہ کا رسول ﷺ اتنا کریم ہے تو اللہ کتنا ہوگا؟ پھر یہ جادوگروں کے پاس جانے کی ضرورت؟

حکیم، طبیب، ڈاکٹر سے علاج، اس کی اجازت ہے۔ شرعی طریقہ ہے علاج کرو لیکن شفا علاج سے نہیں، شفا وہی دے گا۔ علاج ایک سبب ہے، ایک حیلہ ہے، اختیار کرو۔ اللہ سے دعا کرو، اللہ اس میں برکت ڈال، مجھے شفا دے دے۔ تو یہاں بہت سے لوگ بھٹک جاتے ہیں، مار کھا جاتے ہیں۔ ایمان یہاں آکر کمزور پڑ جاتا ہے اور پھر بڑے خوش ہوتے ہیں، جب کوئی بتا دے تمہاری بھابھی نے جادو کیا ہے، تمہاری فلاں نے جادو کر دیا۔ بہو پر ساس نے کر دیا، ساس پر بہو نے کیا پھر وہ بڑے خوش ہوتے ہیں، پیسے بھی دیتے ہیں۔ اللہ کا خوف کھاؤ، اللہ نے دنیا بنا کر جادوگروں کے حوالے نہیں کر دی، اپنے دستِ قدرت میں رکھی ہے۔ یہ ایمان ہو کہ ہر پسندیدہ یا ناپسندیدہ بات، صحت، بیماری، دکھ سکھ سب اللہ کی طرف سے ہے۔

قَالَ صَدَقْتَ۔۔۔ تو اُس نے پھر عرض کی کہ آپ ﷺ نے سچ فرمایا۔ دو باتیں ہو گئیں۔ اُس نے پہلے اسلام پوچھا، پھر ایمان پوچھا۔ پھر اُس نے عرض کی قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِحْسَانِ ۔۔۔ یا

رسول اللہ ﷺ مجھے احسان کے بارے بتائیے کہ احسان کیا ہے؟ قَالَ أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ۔۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت ایسے کرے جیسے کہ تُو اللہ کو روبرو دیکھ رہا ہے۔ اگر یہ درجہ تُو حاصل نہیں کرسکتا تُو کمزور ہے، تو کم ازکم شرط یہ ہے کہ تجھے یہ یقین ہو کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اگر یہ بھی نہیں ہے تو تیری کوئی عبادت نہیں ہے۔ یہ احسان ہے۔ اسلام کے تین حصے ہیں، اسلام، ایمان، احسان۔ عقیدہ، عمل اور ذکر الٰہی تصوف، احسان وسلوک۔ یہاں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: كَأَنَّكَ تَرَاهُ گویا جیسے تُو اُسے دیکھ رہا ہے۔ واقعتاً تو اس دنیا میں بندہ جمالِ باری کے حصول کا اہل نہیں ہے۔ یہ آنکھ دنیا کے اس عالم میں اُسے نہیں دیکھ سکتی، اللہ کے نبیؑ عظیم المرتبت، اولوالعزم رسولؑ موسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کی بارِ الٰہا! جب شرفِ ہمکلامی سے مشرف ہوئے تو بات کرتے کرتے ایک جذبہ دل میں پیدا ہوا۔

تو سامنے آ میں سجدہ کروں
تب لطف ہے سجدہ کرنے کا

تو وہ جذبہ اندر جاگا کہ میں بات تو سن رہا ہوں، میں آپ کا دیدار بھی کروں، جمالِ جہاں آرا دیکھوں۔ قَالَ رَبِّ أَرِنِيْ أَنْظُرْ إِلَيْكَ ط ۔ یا اللہ! حجابات ہٹا دے مجھے نظر آ۔ میں آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ اولوالعزم رسولؑ تھے اور بغیر وحی کے براہ راست کلامِ باری سے مشرف ہوتے تھے۔ ذوقِ دیدار بڑھ گیا۔ فرمایا: لَنْ تَرٰنِيْ (الاعراف:143) موسیٰ ؑ تُو نہیں دیکھ سکتا۔ اس دنیا میں ان آنکھوں سے جمالِ باری ممکن نہیں۔ یہ دنیا فانی ہے۔ یہ نظر فانی ہے، فانی، باقی کا احاطہ نہیں کرسکتا، نہیں دیکھ سکتا۔ تو پھر ماوشا کس شمار میں ہیں۔ ہم کیسے دیکھ سکتے ہیں!

اس لیے اللہ کے رسول ﷺ نے یہ نہیں فرمایا ہمیں کہ تُو اللہ کو دیکھ رہا ہے بلکہ فرمایا، جیسے تو اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ تیری کیفیت وہ ہو جیسے تو اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ اب یہاں ایک مشکل پیش آتی ہے۔ وہ مشکل یہ ہے کہ جو کام کرنا بندے کے لیے ناممکن ہو، اُس کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ یعنی بندہ ایسے ہی بغیر جہاز یا چھتری کے نہیں اڑ سکتا۔ اُسے کہا جائے بیٹھ کر تصور کرو کہ میں ہوا میں اڑ رہا ہوں تو نہیں کرسکتا۔ جو کام بندے کے لیے ممکن نہ ہو وہ اُس کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ اُس کا تصور بھی ناممکن ہوتا ہے۔ جب دیدارِ باری اس عالم میں ممکن نہیں ہے۔ تو اس کا تصور کیسے کرے؟ حضور ﷺ نے تصور نہیں فرمایا کہ تصور کرو، نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیفیت وہ ہو جائے جیسے تُو اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ یہی تصوف وسلوک ہے۔ ذکرِ قلبی کا ثمر یہی ہے، مراقبات کا حاصل یہی ہے۔ تُو اللہ اللہ کر، باطن کو اتنا روشن کر کہ تجھے حضورِ حق کی کیفیت نصیب ہو جائے۔ اس کیفیت کا کوئی ذرہ نصیب ہو جائے تو پھر نماز پڑھنے میں مزہ آتا ہے، کوئی خیال، سوچیں نہیں آتیں۔ پھر مزہ آتا ہے۔ دل کرتا ہے قیام میں، قیام میں ہی کھڑے رہیں۔ رکوع ہو، تو جی چاہتا ہے ساری عمر رکوع ہی رہے۔ سجدہ ہو تو اٹھنے کو دل نہیں کرتا۔ کیوں؟ ایک ان دیکھی نظر، نہیں دیکھتی مگر وہ دیکھ رہی ہوتی ہے۔ اُس کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے جیسے وہ اللہ کو دیکھ رہی ہے۔ اُسے ایک مزہ آرہا ہوتا ہے، ایک لطف آرہا ہوتا ہے، ایک کیفیت طاری ہو جاتی ہے أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ۔۔۔ وہ کیفیت آجائے جو دیکھ کر وارد ہوتی ہے۔ الفاظ ہی سے مفہوم واضح ہے۔ أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ۔۔۔ اس طرح عبادت کر گویا ایسی کیفیت آجائے جیسے تُو اللہ کریم کو دیکھ رہا ہے۔ حضورِ حق نصیب ہو جائے پھر یہی تو سجدے کا مزہ آتا ہے۔ ہم آتے ہیں مسجد میں، ارکان پورے کیے، اُٹھے بیٹھے، بھاگے، دو ٹھونگیں ماریں مرغ کی طرح اور سجدے کر کے چلے گئے۔ کیوں؟ دلوں میں ذوق نہیں ہے۔ دل مردہ ہیں۔ کیفیات نہیں ہیں۔ پتا کوئی نہیں کیا ہے، کیا نہیں۔ جو کوئی ماں باپ نے یا کسی نے سکھا دیا، وہ الفاظ پورے کیے، اٹھے بیٹھے، چلے گئے۔ نہ کچھ کھویا نہ کچھ پایا۔ کوئی کیفیت محسوس نہیں ہوئی کہ نماز پڑھی تو کیا مزہ آیا، کیا محسوس کیا۔ کچھ بھی نہیں۔ ایک بندے کو وزیراعظم بلا لیتا ہے، آج مجھ سے ملاقات کرو۔ وہ بڑے شوق سے جاتا ہے۔ پھر وہ اُس کی تواضع کرتا ہے، اُس کی ساری بات سنتا ہے۔ نوکروں چاکروں سے کہتا ہے اسے گیٹ تک چھوڑ کر آؤ۔ وہ بندہ کیا feel کرتا ہوگا؟ اُسے کوئی لذت، کوئی خوشی Feel ہوتی ہے

کہ نہیں؟ وہ جاتے ہوئے اور ہوگا، آتے ہوئے اُس کا سینہ پھولا ہوا ہوگا۔ وزیرِاعظم تو ہماری طرح مخلوق ہے، عاجز ہے، محتاج ہے۔ جسے اللہ بلائے، آؤ، آؤ میرے ساتھ بات کرو، مؤذن کھڑے کردیئے، آواز دو۔ دور تک پہنچاؤ۔ حی علی الصلوٰۃ... حی علی الفلاح... آجاؤ نماز ادا کرو، سب بہتری اسی میں ہے۔ اللہ خود ہر کارے کھڑے کرکے بلا رہا ہے، سب آجاؤ۔ پھر ہر بندہ اپنی اپنی بات کررہا ہے۔ وہ سب کی سن رہا ہے۔ جب اللہ کریم سے بندہ بات کرکے واپس آئے، مسجد سے نکلے تو اُس میں کوئی خوشی، کوئی فخر بھی ہونا تو چاہیے۔ ایک کہ بڑا مزہ آیا، بڑی حضوری، بڑا وقت ملا، بس آج تو مزہ آگیا، ہمارے ہاں تو کچھ نہیں ہوتا۔ ہم تو جاتے ہیں تو تنگ پڑجاتے ہیں۔ مولوی جی نماز پڑھاؤ بھی سہی۔ یار! بیٹھے بیٹھے جم گئے ہیں۔ رکعتیں لمبی نہ پڑھاؤ، پوری پڑھاؤ، اٹھے بیٹھے، سلام پھیرا، یہ جا وہ جا۔ دعا بھی راستے میں مانگ رہے ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اللہ اللہ! ہم رسم ادا کرتے ہیں، حقیقتِ صلوٰۃ سے غافل ہیں۔

اسلام کے تین رکن ہیں، اسلام، ایمان اور احسان۔ ایمانیات، عقیدہ، فقہ، اعمال اور احسان، ذکرِ قلبی، کیفیاتِ باطنی، یہ تین ضروری ہیں۔ فرض تین ہیں مغرب کی نماز کے، کوئی ایک رکعت نہیں پڑھتا دو پڑھتا رہتا ہے، نماز ہوجائے گی؟ اسی طرح اسلام کا بھی ایک رکن چھوڑ دیا جائے تو مکمل نہیں ہوتا۔ تو پہلے لوگوں سے چھوٹ جاتا تھا اب زمانہ اتنا دور چلا گیا ہے کہ لوگ اس پر تنقید کرتے ہیں اور ثبوت مانگتے ہیں۔ وہ پہلے دو رکن آپ کو کس نے بتائے؟ رسول اللہ ﷺ نے۔ تیسرا رکن بھی تو وہی ارشاد فرمارہے ہیں اور ثبوت کیا چاہیے؟ جس ہستی نے تمہیں ایمان اور عقیدے سے مطلع کیا۔ جس ہستی نے تمہیں فقہ اور اعمال کا سارا خزانہ دیا، وہی تو فرمارہے ہیں کہ تُو کھڑا ہو تو وہ حضوری کی کیفیت تجھ پر وارد ہوجائے جیسے تُو اللہ کو روبرو دیکھ رہا ہے۔ وہ ایک کیفیت اندر دل میں، سینے میں، وہ انوارات وہ تجلیات وہ کیفیات وارد ہوجائیں۔ اور اگر یہ اتنا حوصلہ نہیں تجھ میں کہ تُو یہ کرسکے تو مراقبے کی کم از کم حد یہ ہے کہ یہ یقین ہوجائے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ یہ بھی نہیں تو پھر کوئی ضروری نہیں۔ پھر کیا فائدہ تیری نماز کا؟ ہمارا اصل حال تو یہ ہے کہ چار بندے بھی اکٹھے ہوجائیں تو ہم بڑے آرام سے ارکان ادا کرتے ہیں کہ یہ کہیں گے اس نے کیا کیا؟ یا یہ کہیں کہ اس نے ٹھیک پڑھی ہے۔ اگر ہمیں یقین ہو کہ اللہ کریم دیکھ رہے ہیں تو کیا ہم نماز مزے سے، سکون سے، پوری سمجھ کر نہیں پڑھیں گے؟ فرمایا، یہ کم از کم درجہ ہے کہ یہ یقین تو ہو کہ اللہ کریم مجھے دیکھ رہے ہیں۔ بڑی تفصیل لکھی علمائے حق نے، وہ فرماتے ہیں، احسان وسلوک جو ہے یہ دین کا جزو ہے حدیثِ جبرائیل سے۔ اسے حدیثِ جبرائیل کہتے ہیں۔ یہ مشہور ہے حدیثِ جبرائیل کے نام سے۔

ایمان، عقائد، اعمال اور کیفیاتِ قلبی، تصوف وسلوک یہ تینوں تین رکعتوں کی طرح ہیں۔ جس طرح تین وتر ہیں، کوئی دو پڑھ لے تو وتر نہیں ہوتے۔ تین فرض ہیں مغرب کے کوئی دو پڑھ لے نماز نہیں ہوتی۔ اسی طرح اگر تیسرا رکن چھوڑ دیں گے تو جیسے آپ نے پڑھی نہ پڑھی، نماز ادا نہیں ہوگی۔ آپ کا اسلام مکمل نہیں ہوگا۔ یہ تینوں اشد ضروری ہیں۔ اگر کسی نے احسان وسلوک اور تصوّف پہ محنت کی لیکن اُس نے فقہ نہیں پڑھی تو فرمایا، زندیق ہوجائے گا، بے دین ہوجانے کا خطرہ ہے اُس کا۔ اگر کسی نے فقہ پڑھ لی۔ ساری عمر عمل کرتا رہا، تصوف نہیں پڑھا، بدکار ہوجائے گا۔ سارا ظاہری علم پڑھ لیا، علوم باطنی، کیفیاتِ قلبی حاصل نہیں کیں تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بدکار ہوجائے گا گنہگار ہوجائے گا، گناہ کرے گا۔ اگر کسی نے دینی علوم بھی حاصل کیے کیفیاتِ قلبی بھی حاصل کیں تو اُس نے علم کا حق ادا کیا۔ وہ اللہ کا بندہ بنے گا اور یہ سب کچھ آج ہمارے سامنے ہے، ہم دیکھ رہے ہیں۔ سو یہ ضروری ہے کہ دلوں کو روشن کیا جائے۔ تعلیم کے لیے مدارس اور علماء کے پاس جانا ضروری ہے تو حصولِ کیفیات کے لیے کسی شیخ کامل کی خدمت میں جانا بھی اتنا ہی ضروری ہے۔ قرآنِ کریم، حدیث، فقہ، استاد سے پڑھی جاتی ہے۔ تو کیفیاتِ قلبی اور بھی نازک معاملہ ہے۔ یہ بھی شیخِ کامل سے سیکھی جائیں گی۔ لیکن اب معاملہ ہی الٹ گیا ہے۔

اوّل تو لوگ کرتے ہی نہیں ہیں، تو کوئی تھوڑا بہت ذکر کرتے ہیں، پھر مجھے ای میل آتی ہے خواتین کی بھی، مردوں کی بھی، بڑی حیرت ہوتی ہے جواب کوئی نہیں دیتا چپ کر جاتا ہوں، پڑھ لیتا ہوں۔ جی آپ توجہ کریں میرا ذکر نہیں ہو رہا، کوئی خوفِ خدا کرو۔ مشائخ رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کی توجہ ہوتی ہے، میری نہیں ہوتی۔ میں تو ایک وسیلہ اور ذریعہ ہوں۔ مشائخ بالا کی، بارگاہِ نبوی ﷺ تک کی توجہ ہوتی ہے۔ بارش یکساں برستی ہے، جل تھل کر دیتی ہے۔ کھیت جوتنا، اُس میں ہل چلانا، اُس کے بنے بنانا، اُس میں کھاد ڈالنا، بروقت بیج ڈالنا، اُس کی چوکیداری کرنا، یہ کاشتکار کا فرض ہے۔ پھر پھل اللہ دیتے ہیں۔ تو بارشیں برستی رہیں۔ آپ لکھتے رہیں بارش برسانے والے کو، میری زمین میں ہل بھی چلا، میرے کھیت میں باڑھ بھی لگا جا، یہ کوئی طریقہ ہے؟ مشائخ کی برکات کی مثال بھی بارش کی مانند ہے۔ یہ دل ایک کھیتی ہے اس میں بنے تو آپ نے بنانے ہیں، ہل تو آپ نے جوتنے ہیں۔ دنیا کے سارے کام آپ کر لیتے ہیں جب ذکر کی باری آتی ہے آپ کہتے ہیں ہوتا نہیں۔ ہوتا ہے، آپ کرتے نہیں۔

یہ انسانی مزاج ہے۔ ہمارا ایک بزرگ تھا بابا، دور سے رشتہ دار تھا۔ بہت بوڑھا آدمی تھا۔ غریب حقہ پیتا تھا تو اُسے عادت تھی کہ چوبیس گھنٹے حقہ ساتھ رکھتا۔ رات کو حقہ پی کے سوتا اور اُس میں آگ رکھ کر چار پائی کے قریب رکھ لیتا تھا۔ آدھا گھنٹہ آنکھ لگی پھر اونگھ آئی، پھر اُٹھ بیٹھا پھر حقہ بھڑکایا، پھر لیٹ گیا پھر جاگ آگئی۔ پھر اٹھ کر حقہ پی لیا اور چائے کا دیگچہ بنا رکھتا تھا اور اُس کے نیچے تھوڑا سا بھوسا ڈالا، گرم کی، پیالی چائے کی پی، حقہ پیا اور بابا جی پھر سو گئے۔ پھر اُٹھ گئے آدھے گھنٹے میں پھر چائے پی، پھر حقہ پیا ایک دفعہ اُسے گھر والوں نے کہا، بابا! کچھ خوفِ خدا کرو، کم از کم روزہ تو رکھا کرو، اللہ کو جواب دینا ہے، قبر میں کیا کرو گے؟ یہ حقے کو چمٹے رہتے ہو، حقہ ہی پیتے رہتے ہو، روزہ تو رکھا کرو۔ وہ ہر وقت حقہ پیتا تھا روزہ کب رہتا تھا اُس کا۔ ہاں! اُس نے کہا آخری عمر ہے، بہت بوڑھے ہو گئے ہیں، اس سال روزے رکھیں گے لیکن اگر رہا تو، روزہ رہتا نہیں ہے۔ یہ نہیں کہتا کہ میں نہیں رکھتا، کہتا ہے روزہ نہیں رہتا یعنی جرم روزے کا ہے کہ وہ رہتا نہیں۔ سحری کو کھانا کھایا اذان تک حقہ رج کر پیتا رہا۔ اذان ہوئی تو بابا روزہ رکھ کے سو گیا۔ اب جب آنکھ کھلی سات آٹھ بج رہے تھے۔ بابا اُٹھ بیٹھا۔ ہاں بھئی سناؤ سورج کہاں پہنچا؟ اُنہوں نے کہا بابا ابھی تو سورج نکلا ہے۔ اچھا، آدھا گھنٹہ اور اس سے انتظار ہوا ہوگا، کہاں پہنچا ہے؟ انہوں نے کہا ابھی تو سویر ہے بابا آٹھ بجے ہیں۔ پھر یہ نہیں رہتا، میں نے تمہیں کہا تھا، یہ نہیں رہے گا، یہ نہیں رہتا۔ آخر دس بجے بابے نے روزہ توڑ دیا۔ کہ ابھی تک سورج صبح پہ کھڑا ہے تو پھر شام کب ہوگی؟ کہتا یہ تھا کہ یہ نہیں رہتا اپنی غلطی نہیں مانتا تھا کہ میں نہیں رکھتا۔ کہتا تھا یہ روزہ نہیں رہتا۔

یعنی غلطی رمضان کی ہے کہ وہ رہتا نہیں۔ یہی حال ہمارے دوستوں کا ہے۔ ذکر نہیں کرتے اور کہتے ہیں آپ زور سے توجہ کریں۔ اللہ کے بندو! خود ذکر کرو۔ آپ Receiver end پہ ہو، آپ اپنا Receiver بند کر کے بیٹھے ہو تو یہاں سے زور کون لگاتا ہے؟ پھر شیخ کو تلقین کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر وہ یہ کام نہیں کرتا تو شیخ ہے ہی نہیں۔ شیخ ہونے کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ برکات تقسیم کرے جو منجانب اللہ آتی ہیں۔ ایسے حضرات بھی ہیں جن کے اعلیٰ مقامات ہیں اور انہیں یہ توفیق، یہ قوت نہیں ہے کہ آگے تقسیم کریں تو کوئی اُنہیں شیخ نہیں بناتا۔ سارے اولیاء اللہ شیخ نہیں ہوتے۔ اپنی کیفیات ہیں دوسرے کو نہیں دے سکتے تو اُنہیں تو کوئی شیخ نہیں بناتا۔ شیخ ہوتا ہی وہ ہے جس کے پاس برکاتِ الٰہی ہوں اور فیوضیاتِ نبوی ﷺ ہوں، مراقبات وکیفیات ہوں، وہ آگے تقسیم بھی کر سکے۔ اُس کا کام ہی یہی ہے۔ آپ اُسے تلقین کرتے ہیں، آپ خود ذکر نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ذکر نہیں ہوتا یعنی میرا گناہ نہیں ہے میں تو کرتا ہوں وہ ہوتا نہیں ہے۔ کمال ہے! پھر وہ بابے والا عذر ہوا! کرو تو ہوگا۔ کھانے بازار سے کھاتے ہو۔ پتا نہیں حرام ہو اور گائے کے گوشت کی جگہ گدھے کا اور مردار جانوروں کا اکثر ہوتا ہے۔ ہمیں حضرت رحمتہ اللہ علیہ بازار کے کھانوں سے منع فرماتے تھے۔ اُس زمانے میں بازار میں گدھے کا گوشت نہیں ہوتا تھا۔ ہر چیز حلال ہوتی تھی۔ حضرتؒ فرماتے تھے یہ جو تم کام کر رہے ہو، صفائے قلب کا، یہ بڑا نازک ہے۔ جو کھانے دکانوں پہ لگے ہوتے ہیں غریب لوگ گزرتے ہیں جن میں خریدنے کی استطاعت نہیں ہوتی، اُن کی

حسرت بھری نظر پڑتی ہے، دیکھتے تو وہ بھی ہیں، وہ خرید نہیں سکتے تو ان کھانوں میں نحوست آجاتی ہے۔تو کھانا گھر سے کھایا کرو ہوٹلوں سے نہ کھاؤ۔آج گھروں میں کوئی پکاتا ہی نہیں، دنیا کھاتی ہی ہوٹلوں سے ہے۔کوئی پتا نہیں حلال ہے، حرام ہے۔برگر کھانے کے شوقین ہیں، یہ نہیں پوچھتے اس میں ہے کیا؟

وہ اگلے دن دیکھ رہا تھا، وہ مشین لگی ہوئی ہے، وہ مشہور برگر مجھے اُس کا نام یاد نہیں جس میں وہ بن کے آتا ہے تو اتنے اتنے چوزے تھے، وہ زندہ اُس مشین میں ڈالے جا رہے ہیں، وہ اُس میں پروں سمیت اس کی بیٹھ، آنت، اوجڑی کا قیمہ بنا کے آگے نکال رہی ہے۔وہ بالکل اُس کو ایسے پیس دیتی ہے جیسے ہر چیز خاک ہوگئی۔اُس برگر میں وہ ڈالا ہوتا ہے کہتے ہیں بڑا مزیدار ہوتا ہے۔حرام جو ہے مزہ تو ہوگا اُس میں۔آخر کو مزہ ہے حرام میں تو لوگ اُس کی طرف لپکتے ہیں۔تو یہ ساری احتیاطیں بُروں کی مجلس سے بچنا، بُرے کاموں سے بچنا، بری سوچ سے بچنا، بری باتیں سننے سے بچنا، احتیاط کرنا۔ہمیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ نماز باجماعت پڑھو لیکن جماعت کے ساتھ فرض پڑھو۔آؤ تو مسجد میں الگ بیٹھ کر ذکر کرتے رہا کرو، جماعت کھڑی ہو نماز جماعت کے ساتھ پڑھو۔سنتیں بہتر ہے گھر جا کر پڑھو۔یا مسجد میں الگ پڑھو یہ جو نماز کے لیے بھی آجاتے ہیں ان پر بھی نحوست ہوتی ہے اور ان کے پاس بیٹھنے سے نحوست پڑتی ہے، کیفیات کم ہوجاتی ہیں۔چونکہ وہ کیفیاتِ باطنی کے سوا ہیں، ذکر تو نہیں کرتے۔تو کہاں یہ بات، کہاں آج کے میلے ٹھیلے، بازاروں کی رونقیں، ناچ گانے ہر آدمی اُدھر مصروف ہے۔بھئی! کیفیاتِ باطنی تو بڑا نازک معاملہ ہے، بڑی احتیاط چاہتی ہیں، بڑی محنت چاہتی ہیں اور بڑی حفاظت چاہتی ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز دین کا ایک رکن ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں۔کَاَنَّکَ تَرَاہُ کیفیت تیری وہ ہوجائے جیسے تو اللہ کو روبرو دیکھ رہا ہے۔اللہ کریم سامنے ہیں اور تو قیام اور رکوع، سجود کر رہا ہے۔یہ اصل نماز ہے۔اگر تجھ میں یہ ہمت نہیں ہے تو کم از کم یہ ہے کہ تجھے یقین ہو کہ اللہ تو مجھے دیکھ رہا ہے۔پھر بھی تیری نماز صحیح ہے لیکن یہ کمتر ہے۔اگر یہ بھی نہیں ہے پھر اُٹھک بیٹھک ہے، پھر اٹھتے بیٹھتے رہو۔Exercise ہوجائے گی۔

ابھی تو یہ حدیث مبارکہ رہتی ہے ان شاء اللہ آگے اس کی تکمیل ہوگی۔کچھ اس حصے میں جو عرض کر رہا ہوں یہ بھی رہ گیا، دس منٹ اوپر چلے گئے ہیں۔اللہ پاک خیر کرے، خیر ہو۔اللہ کریم ہمیں توفیق دے کہ ہم حضور ﷺ کے ارشاداتِ عالیہ کو اپنا سکیں، عمل کر سکیں۔

اجتماع آخری عشرہ رمضان المبارک

حسب سابق رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ کے مرکز دارالعرفان، منارہ، ضلع چکوال میں سنت اور نفل اعتکاف کا اہتمام ہو رہا ہے۔جس میں سالانہ اجتماع کی طرح تربیتی پروگرام ترتیب دیا جاتا ہے۔اعتکاف سے صحیح معنوں میں فیضیاب ہونے اور روح کی بالیدگی اور پاکیزگی عطا کرنے کے لیے اس سے بہتر موقع نہیں مل سکتا۔ساتھیوں سے گزارش ہے کہ وہ اس موقع سے بھرپور فائدہ اُٹھائیں۔

ہدایات:

اعتکاف کے آداب کا خیال رکھیں۔معتکف کو گپ شپ کی اجازت نہیں ہے۔نہ موبائل فون سنے، نہ ساتھیوں سے گپ شپ کرے بلکہ وضوخانے کی طرف جائے تو آتے جاتے راستے میں کسی سے بات نہ کرے، یہ بھی مکروہ ہے۔

خواتین، نابالغ بچوں، معذور اور بیمار حضرات کو اجتماع پر آنے کی اجازت نہیں ہے۔اگر کوئی خاتون ایک آدھ دن کے لیے دارالعرفان آئے تو اپنی سحری اور افطاری کا بندوبست خود کر کے آئے۔

شیخ المکرم کی مجلس میں سوال اور اُن کے جواب

الشیخ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ

سوال: کامل کے افعال، افعالِ حق کے مظاہر ہیں۔ وضاحت فرمادیجئے؟

جواب: مجھے پتا نہیں یہ جملہ کس نے ارشاد فرمایا۔ جس نے کہا وضاحت تو اسی سے پوچھی جانی چاہیے۔ کسی اللہ کے بندے نے کہا ہوگا۔ وضاحت ہمارے گلے پڑ گئی۔ کامل کسے کہتے ہیں؟ کامل اُسے کہتے ہیں جس کی اپنی رائے اتباعِ سنت میں، اطاعتِ الٰہی میں ختم ہوچکی ہو۔ کمال کیا ہے؟ پتھر ہوتا ہے اُسے اتنا پیستے ہیں، اتنا پیستے ہیں، اتنا پیستے ہیں کہ وہ سرمہ بن جاتا ہے۔ اب اس پتھر کے کمال کی صورت یہ ہے کہ وہ سرمہ بن گیا، وہ کامل ہوگیا۔ بظاہر تو پیس پیس کر مٹ گیا، اس میں پتھر والی کوئی حیثیت نہ رہی۔ آپ آنکھ میں لگاتے ہیں تو آنکھ کا آئینہ تو اتنا نازک ہے کہ ذرا سا بھی، کوئی بہت معمولی سا بھی، پتھر آنکھ میں پڑے تو برداشت نہیں کرتا۔ سرمہ کو برداشت کرتا ہے۔ سرمہ سے اُسے شفا ہوتی ہے۔ یہ بھی تو پتھر ہے، پسا ہوا، لیکن وہ اتنا پس گیا کہ اس میں وہ پتھر والی خصوصیات ہی ختم ہوگئیں۔ اسی طرح آپ سونے، چاندی، بعض چیزوں سے کشتے بناتے ہیں۔ وہ اتنی پس جاتی ہیں، یا جل جاتی ہیں کہ ان کی ذات والی خاصیت ان میں نہیں رہتی۔ وہ مٹ کر ایک سفوف سا، دوا بن جاتی ہے۔ انسان بھی، اس کا ارادہ، اس کی خواہشات، اس کے نفس کی آرزوئیں، اتنی پس جائیں کہ احکامِ الٰہی کے اور سنتِ رسول ﷺ کے مقابلے میں خاک ہوجائیں اور اس بندے کا کردار اتباعِ رسالت ﷺ میں ڈھل جائے تو اُسے کامل کہتے ہیں۔ ظاہر ہے اگر یہ کمال کسی فرد کو نصیب ہے تو جو کام وہ کرے گا وہ رضائے الٰہی کا مظہر ہوگا، اتباعِ سنت کا نمونہ ہوگا اور یہی مراد ہے کہ کامل کے افعال، افعالِ حق کے مظاہر ہوتے ہیں۔ اللہ کا جو کامل بندہ ہوتا ہے اس کا کردار، اس کی گفتار، اس کا لین دین اس کا سب کچھ اطاعتِ الٰہی میں ڈھل جاتا ہے۔ ہم تو باتیں کر سکتے ہیں۔ وَاُحِبُّ السَّالِكِيْنَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ مجھے اللہ کے بندوں سے، نیک لوگوں سے، محبت تو ہے لیکن میں نیک نہ ہوسکا۔ جسے اللہ یہ نعمت نصیب کردے، اس کا کردار بھی مجسم تبلیغ بن جاتا ہے۔ جو تبلیغ زباں سے کی جاتی ہے اس کا اثر اور ہوتا ہے اور جو کردار سے کی جاتی ہے وہ بہت زیادہ مضبوط ہوتی ہے۔ تو اللہ نے جو مجھے سمجھ دی، جو میں سمجھ سکا ہوں، جس کسی کا بھی یہ جملہ ہے، میری سمجھ کے مطابق اس کا مفہوم یہی بنتا ہے کہ جب کسی کو اطاعتِ الٰہی میں کمال، کیونکہ کمال اچھائی میں ہوتا ہے، برائی میں جتنا کوئی بڑھ جائے اُسے کمال نہیں کہتے، اُسے مزید برا کہتے ہیں، تو اس کا کردار جو ہوتا ہے وہ مجسم بن جاتا ہے اور وہ تبلیغ بن جاتی ہے۔ اس کے افعال، افعالِ حق کے مظاہر ہوتے ہیں یعنی اللہ کے احکام اور اطاعت کی سند بن جاتے ہیں۔

سوال: مخلوقِ خدا کو نظرِ حق سے دیکھنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اللہ کریم نے انسان کے لیے دنیا میں جو آزمائش رکھی ہے وہ صرف یہی ہے۔ دنیا کی نعمتیں انسان کے لیے بنائیں۔ کائنات کو اگر دیکھا جائے، سورج چاند، ستاروں، سیاروں کو جن کی تعداد کو کوئی گن نہیں سکا، نہ کوئی گن سکتا ہے تو سب کی توجہ کا مرکز زمین ہے۔ ہر ستارے سیارے کی حرکت و سکونت سے اثرات، زمین پہ مرتب ہوتے ہیں۔ زمین اللہ کا عجیب خزانہ ہے، اللہ ہی جانے اس میں اس نے کیا کیا رکھا ہوا ہے۔ نعمتیں ہیں، اس میں سونا کتنا ہے، چاندی کتنی ہے، ہیرے جواہرات، لعل موتی کتنے ہیں، مخلوق کتنی ہے؟ ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ آدم

علیٰ نبینا علیہ السلام سے لے کر آج تک جو مخلوق گزری ہے اور اس نے اس زمین سے جو صرف گندم ہی نکالی ہے اگر وہ ساری اکٹھی کی جائے تو شاید اس زمین سے زیادہ بڑا کرہ بن جائے۔ لیکن یہ زمین ہے کہ مسلسل دے رہی ہے اور ابھی بھی دیتی جارہی ہے۔ زمین میں کہیں کوئی کمی نہیں ہوتی، کسی کھیت میں کوئی خلاء نہیں آیا، کسی کھیت میں کوئی گڑھا نہیں پڑا۔ ہر سال ہم اسی کھیت سے منوں گندم نکال لیتے ہیں پھر بھی اس کی زمین برابر ہے، زمین اس کی بیٹھتی نہیں۔ یہ اس کے اپنے خزانے ہیں۔ وہ دے رہا ہے۔ انسان کی سمجھ میں نہیں آتی، اس سے بالاتر ہے۔ اس نے کسی نعمت سے روکا نہیں ہے۔ بڑا مشکل ہوجاتا اگر اسلام یہ کہہ دیتا کہ شادی نہ کرو تم مسلمان ہو، کاروبار نہ کرو تم مسلمان ہو، کھانا نہ کھاؤ تم مسلمان ہو۔ ایسا نہیں فرمایا، بلکہ اجازت دی کہ کھاؤ پیو، کماؤ، شادی کرو، بچے پالو، گھر بناؤ۔ طریقے وضع کر دیئے ہیں کہ ہر کام کو کرنے کا یہ طریقہ ہے، اس طرح سے کرو۔ روزی اس طرح سے کماؤ، اس کے علاوہ کماؤ گے تو اللہ کی ناراضگی کا سبب بنے گا، ملتی پھر بھی رہے گی۔ جب تک دنیا میں ہو، تمہارا رزق تمہیں پہنچے گا۔ انتخاب تمہارا ہے کہ حلال ذریعے سے کمانا چاہتے ہو یا حرام سے۔ ایک واقعہ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ الکریم کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ ان کی عادت تھی کہ اکثر عام آدمی کے لباس میں اندرونِ ملک کے چکر لگایا کرتے تھے۔ عام سی سواری پہ بیٹھ کر پبلک کے حالات معلوم کیا کرتے تھے کہ عام آدمی کے حالات کیسے ہیں؟ ایک جگہ کسی قصبے میں وارد ہوئے تو مسجد کی طرف تشریف لے گئے۔ نمازی نماز پڑھ کر نکل رہے تھے۔ خچر پر سوار تھے، ایک نکلتے ہوئے آدمی سے انہوں نے کہا کہ ذرا میرے اس خچر کی لگام پر ہاتھ رکھو، میں دوگانہ پڑھ کر آتا ہوں۔ نماز سے فارغ ہوئے تو خیال آیا کہ اس بندے کو میں نے روک لیا۔ اس کا وقت لیا تو اس کے لیے آپ نے دو درہم جیب سے نکالے کہ اس کا اتنا وقت لگا ہے اُسے دوں گا۔ جب باہر آئے تو وہ بندہ اس کی لگام اتار کر غائب ہوچکا تھا۔ درہم ہاتھ میں تھے، باہر نکلے، بازار میں تھے تو پہلی ہی دکان پر دیکھا تو وہی لگام لٹک رہا تھا۔ انہوں نے دکاندار سے پوچھا، یہ کتنے کا ہے؟ اس نے کہا کہ جی! یہ دو درہم کا بیچوں گا۔ انہوں نے وہ دو درہم جو ہاتھ میں تھے، اسے دے کر لگام لے لیا اور پھر خچر پر ڈال دیا اور فرمایا: اس بندے نے غلطی کی، لالچ کیا، کتنے کا اس نے تمہیں بیچا ہے؟ اس نے کہا کہ جی ڈیڑھ درہم کا۔ فرمایا تو میں اُسے دو درہم دیتا اور یہ حلال کے ہوتے۔ لیکن اس نے اپنی مرضی پر عمل کیا اور ڈیڑھ درہم لیا اور وہ اس کے لیے حرام ہیں۔ اللہ کی طرف سے جو چیزیں حلال ذرائع سے ملتی ہیں ان کی اتنی برکت ہوتی ہے۔ انسان اپنی تجویز سے جو کرتا ہے اور غیر شرعی طریقے سے کرتا ہے، ممکن ہے شرعی طریقے سے اسے اس سے زیادہ مل جاتا۔ تو یہی آزمائش ہے کہ دنیا میں کس طرح رہنا ہے۔ مخلوقِ خدا کو نظرِ حق سے دیکھو سے یہی مراد ہے کہ مخلوق کے ساتھ برتنے کا، رشتے ناطے کا، دوستی دشمنی کا، مخلوق کے ساتھ جو لین دین ہے اسے اس کے مطابق کرو جیسا اللہ کریم فرماتے ہیں۔

سوال: سورہ یوسف میں حضرت یوسفؑ کی بات بیان کی گئی ہے کہ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا مجھے پوری فرمانبرداری کی حالت میں دنیا سے اٹھا لے۔ یوسفؑ تو پیغمبر ہیں انہیں اس دعا کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

جواب: آپ کی نظر میں شائد یہ لفظ زیادہ اٹک گیا ہو ورنہ قرآنِ کریم میں تو پہلے پارے سے حضرت ابراھیمؑ کی دعائیں شروع ہوجاتی ہیں۔ پھر آگے جتنے پیغمبروں کے واقعات آئے کم وبیش سب نے دعائیں کی ہیں جس میں انجام بخیر ہونے کی اور آخرت کے بہتر ہونے کی بلکہ اولاد اور اپنے پس ماندگان کی اصلاح اور بہتری اور خاتمہ بالخیر کی دعا کی ہے۔ انبیاءؑ کی نبوت اُن کی ذات کا وصف بن جاتی ہے۔ نبیؑ ازل سے نبیؑ ہے، پیدا نبیؑ ہوئے، دنیا سے بحیثیت نبیؑ تشریف لے گئے، برزخ میں نبی علیہ السلام ہیں، عرصۂ محشر میں نبیؑ ہوں گے جنت میں نبیؑ ہوں گے، اور ان کی اپنی نبوت کے مطابق ان کی عظمت اور مقام ہوگا لیکن اس سب کے باوجود اللہ کریم سے دعا کرنا یہ بہترین اندازِ شکر ہے۔ انبیاءؑ معلم ہوتے ہیں امت کے اور تعلیمِ امت کے لیے یہ باتیں ارشاد فرماتے ہیں کہ ساری امت سیکھ لے اور ساری امت اس پر کاربند ہو۔ اللہ کریم قادر ہیں، مطلق العنان شہنشاہ ہیں، کوئی اللہ کو مجبور نہیں کرسکتا اس لیے ہر شے ہمہ وقت اس کی خوشنودی کی محتاج ہے۔ اس کی طلب کے لیے دعا کرنا بہترین عمل ہے، سب سے اعلیٰ عمل ہے اور سب سے اعلیٰ عمل

کرتے بھی انبیاءؑ ہیں اور امت کو تعلیم بھی فرماتے ہیں۔ یہ دعائیں صرف یوسف علیہ السلام کی نہیں ہیں، جتنے انبیاءؑ کا ذکر قرآنِ مجید میں ملتا ہے ان سب میں یہ ملتا ہے کہ انہوں نے یہ دعا فرمائی، انہوں نے یہ دعا فرمائی۔

سوال: قرآنِ پاک میں تعلیماتِ انبیاءؑ کو نہایت سختی سے فرض قرار دیا گیا ہے لیکن اتنی شدت برکات کے حصول کی فرضیت کی نہیں، راہنمائی فرمادیجیے؟

جواب: کسی بات پر عمل ہم کیوں کرتے ہیں؟ ہمارے اندر ایک مشین ہے، کوئی ایسا آلہ ہے جو یہ تجزیہ کرتا ہے کہ میں یہ کرلوں تو مجھے یہ فائدہ ہوگا۔ ہم مزدوری کیوں کرتے ہیں؟ ہمارے اندر یہ بات ہوتی ہے کہ یہ محنت کروں تو یہ پیسے ملیں گے۔ فلاں ضرورت پوری کرلوں گا فلاں کرلوں گا۔ چوری کیوں کرتے ہیں؟ یہی اندر خواہش ہوتی ہے کہ باہر مزدوری کی ذلت کون اُٹھائے، پیسے ہی چاہئیں، چوری سے لے لوں۔ یہ اندر، انتہائی گہرائی، سینے کی گہرائی میں آدمی یہ فیصلے کرتا ہے۔ اب ایک بندے کو ایک کام کرنے کا پابند کردیا جاتا ہے کہ یہ ضرور کرو تو وہ جو اندر ہے وہ نہیں مانے گا۔ وہ شاید وہ کام تو کرلے لیکن وہ ایکٹنگ ہوگی، اس میں خلوص نہیں ہوگا۔ ایک بندے کو آپ کہتے ہیں تم نے یہاں دو گھنٹے پہرہ دینا ہے، وہ کھڑا رہے گا لیکن اندر سے شاید آپ کو بددعائیں ہی دیتا رہے کہ مجھے کھڑا کردیا، مجھے دھوپ میں کھڑا کردیا، میرا یہ ہوگیا۔ اب اس طرح کے جو اعمال ہیں جن کی ظاہری شکل تو ہو لیکن ان کے ساتھ بندے کا باطن نہ ہو تو انہیں اصطلاحِ شریعت میں نفاق کہا گیا ہے۔ منافق جو تھے وہ نمازیں بھی پڑھتے تھے، روزے بھی رکھتے تھے، تلاوت بھی کرتے تھے، سارے کام مسلمانوں جیسے کرتے تھے لیکن بظاہر کرتے تھے، ان کا باطن ان کا ساتھ نہیں دیتا تھا۔ اسے اتنا بڑا جرم قرار دیا کہ اللہ کریم نے فرمایا: میں انہیں کافروں سے بھی نیچے والے خانے میں، اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝ (التین: 5) سب سے نیچے والے خانے میں ڈالوں گا۔ جب انبیاءؑ کی تعلیمات پر عمل کرنا ضروری ٹھہرا تو اسی میں دل کا ساتھ ہونا بھی ضروری ٹھہرا۔ اس کے لیے کوئی الگ کسی حکم کی ضرورت نہیں۔ قرآنِ کریم نے اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فرمادیا۔ اب اس کے ساتھ یہ تشریح نہیں ہے کہ دل بھی چاہتا ہے کہ نہیں۔ اسی میں وہ موجود ہے کہ خلوصِ دل سے کیا جائے۔ جب اتباعِ انبیاءؑ کا حکم پوری سختی سے فرمایا گیا تو اسی میں یہ بھی موجود ہے کہ اس میں کیفیاتِ قلبی ہوں، دل چاہے اور خلوصِ دل سے اطاعت کی جائے۔ یہ حکم اسی حکم میں موجود ہے جس میں اطاعتِ انبیاءؑ فرض کی گئی ہے یا اس کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ اسی طرح مراقبات کے بارے میں کوئی آیت نہیں ملتی۔ آیات تو ملتی ہیں وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ (آل عمران) یہ تفکر مراقبہ ہی ہے لیکن یہ مراقبہ ہے کیا؟ انہی آیاتِ کریمہ کی جو کیفیات ہیں ان کو دل میں اتارنے کا نام مراقبہ ہے۔ مراقبہ رقبہ سے ہے، رقبہ گردن کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس طرح کے لوگ گردن جھکا کر اس طرح بیٹھ جاتے ہیں تو اصطلاحاً اسے مراقبہ کہا گیا کہ گردن جھکا کر، بیٹھ کر، غور و خوض کرنا۔ قرآنِ کریم کو تو مستشرقین بھی بڑا پڑھتے ہیں، عربی گرامر پڑھتے ہیں، صرف و نحو پڑھتے ہیں، بیشمار لوگوں کے تراجم پڑھتے ہیں، عربی زبان سیکھتے ہیں، پھر قرآن کی تحقیق و تفتیش پر لگے رہتے ہیں اور بیشمار چیزیں بالآخر قرآن و سنت کے مطابق، دنیوی طور پر کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ ابھی پچھلے دنوں ایک ریسرچ آئی کہ انسان کے کھربوں سیل (Cell) ہیں باڈی میں اور چھ مہینے سے زیادہ کسی سیل کی عمر نہیں تو ہر لمحے سیل مرتے رہتے ہیں پیدا ہوتے رہتے ہیں، جہاں بیٹھتا ہے، جہاں جاتا ہے، جہاں چلتا ہے۔ تو ریسرچ یہ تھی کہ جس بستر پر سوتا ہے، اس میں بھی تو سیل جھڑتے ہوں گے؟ تو سائنسدانوں نے یہ ریسرچ کی کہ سیل جھڑتے رہتے ہیں، مردہ سیل ہوتے ہیں مسلسل اس بستر پر سوتا رہے تو سونے میں، سانس لینے میں یا کسی نہ کسی طرح کچھ مردہ سیل اندر چلے جاتے ہیں۔ جب وہ اندر جاتے ہیں اور اس سے بیماری پیدا ہوتی ہے تو اس سے کیسے بچا جائے؟ کئی قسم کی ایسی ادویات اور سپرے ایجاد کیے گئے کہ بستر پر سپرے کردیا جائے اور وہ سیل فنا ہوجائیں۔ آخر تھک ہار کر انہوں نے کہا یہ کوئی علاج نہیں ہے جو سیلوں کو مارنے کے لیے سپرے کرتے ہیں وہ ایک اور بیماری پیدا کردیتا ہے۔ وہ خود اندر جاتا ہے سانس کے ساتھ کوئی خرابی پیدا کردیتا ہے۔ وہ اس بات پر پہنچے کہ اگر اُٹھ کر بستر کی چادر کو تین مرتبہ سختی سے جھاڑ دیا جائے تو سیل گر جاتے ہیں اور بیماری کا خدشہ نہیں

رہتا۔ یہ وہ بات ہے جو ساڑھے چودہ سو سال پہلے نبی کریم ﷺ نے فرمائی تھی کہ بستر کی چادر کو یا کمبل کو جو نیچے ہیں اُسے تین بار جھاڑ دیا کرو۔ صدیوں ٹھوکریں کھا کھا کر سائنسدان پھر وہاں پہنچتے ہیں۔ پچھلے دنوں ایک تحقیق آئی تھی کہ یہ چھری کانٹے سے کھانا صحت کے لیے مفید نہیں ہے۔ انگلیوں سے پکڑ کر کھایا جائے اور کھانے میں انگلیاں ڈبونی چاہئیں۔ انگلیوں کے ساتھ آپ کا کھانا یا گوشت لگنا چاہیے اور پھر انہیں دھونے سے پہلے چوس لیا جائے، کیوں بھئی؟ یہ ریسرچ ہے کہ جب کھانا انگلیوں سے لگتا ہے یا شوربے میں یا دال میں ڈوبتی ہیں یا دوسری کوئی چیز جو وہ کھا رہا ہے تو ان میں خاص قسم کے جراثیم پیدا ہوتے ہیں جن کو اگر چوس لیا جائے تو کھانا ہضم ہو جاتا ہے۔ اب سائنس نے یہ مشورہ دیا ہے کہ اس طرح سے لقمہ پکڑ کے، ڈبو کے کھایا جائے اور انگلیوں کو پہلے صاف کیا جائے پھر پانی سے دھویا جائے۔ نبی کریم ﷺ کی سنت اُس زمانے سے آرہی ہے کہ کھانا انگلیوں سے ڈبو کر کھاؤ اور دھونے سے پہلے انگلیاں چوس لو۔ تو ساڑھے چودہ سو سال دھکے کھانے کے بعد سائنس اب وہاں پہنچی ہے۔ یہ تعلیماتِ نبوت یا آیاتِ قرآنی جو ہیں ان کی کیفیات کو دل میں نہ اتارا جائے اور کیفیات نصیب نہ ہوں تو خلوص سے عمل نصیب نہیں ہوتا۔ ہم دیکھتے ہیں ہم سارے نمازیں پڑھتے ہیں، کتنے بیشار لوگوں سے مسجدیں بھری ہوئی ہیں لیکن کتنے لوگ ہیں جو حضورِ قلب سے نماز پڑھتے ہیں؟ نمازی بھی پھڑ پھڑا رہے ہوتے ہیں نماز میں کہ کہیں جان چھوٹے اور بھاگیں۔ وضو کرتے وقت چھینٹے اڑا لیتے ہیں، آدھے اعضاء خشک رہ جاتے ہیں۔ خیال کوئی نہیں کرتا کہ سارے اعضاء تر ہوئے ہیں کہ نہیں۔ نماز پڑھتے ہیں تو رکوع میں گئے تو قیام کوئی نہیں کرتا وہیں سے سجدے میں گرتے ہیں۔ ایک سجدہ کیا تو جلسہ کوئی نہیں کرتا وہیں سے دوسرا کر لیتا ہے۔ تو یہ چند لمحے بچا کر ہم کیا کرتے ہیں؟ یعنی دو منٹ میں نماز ہونی تھی، ہم نے پونے دو منٹ میں پڑھ لی تو یوں پندرہ سیکنڈ بچے اس سے ہم نے کیا تیر مار لیا۔ کیوں نہ تسلی سے دو منٹ کے بجائے سوا دو منٹ لگ جاتے، ارکان تو پورے ہوتے۔ یہ تب پورے ہوتے جب اس کی کیفیات دل میں بھی اتری ہوتیں۔ جب نماز میں دل لگتا، جب سجدے میں لذت ہوتی، جب رکوع میں کچھ مزہ آتا، جب قیام میں کچھ خوشی ہوتی۔

سوال: کل آپ نے خلوص کی ضرورت و اہمیت پر مفصل روشنی ڈالی۔ آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ خلوص کیا ہے؟

جواب: انسان کی کیفیات ہوتی ہیں اور وہ کیفیات رشتوں میں بھی اور تعلقات میں بھی ہوتی ہیں۔ یہ کیفیات اللہ اور بندے کے مابین بھی ہوتی ہیں۔ بندے اور اس کے نبیؐ کے مابین بھی ہوتی ہیں۔ بندے اور اس کے گھر کے مابین بھی ہوتی ہیں۔ بندے اور بندے کے مابین بھی ہوتی ہیں۔ ایک تعلق ہوتا ہے۔ ایک رشتہ ہوتا ہے۔ خلوص یہ ہے کہ وہ جو تعلق ہو، وہ جو رشتہ ہو، اس میں کھرا پن ہو۔ اپنی کسی غرض سے رشتے قائم رکھنا خلوص نہیں ہے۔ وہ غرض پوری ہو جائے گی تو وہ رشتہ ختم ہو جائے گا۔ اگر ہم کسی سے اپنی ضرورت کے لیے رشتہ بناتے ہیں تو وہ ضرورت پوری ہونے تک ہے۔ وہ ضرورت پوری ہو گئی تو وہ ختم ہو گیا۔ لیکن کسی ذات کا ذات سے رشتہ ہو، اس میں اچھائی آئے یا اس میں مشکلات آئیں تو بندہ بھگتے اور رشتے کو قائم رکھے تو یہ خلوص ہے۔ یہی رشتہ جب بندے اور اس کے نبی ﷺ کے درمیان ہوتا ہے تو کتنے لوگ ہیں جو راہِ حق میں شہید ہو گئے، جسم کٹ گئے، جانیں دے دیں لیکن رشتہ نہیں ٹوٹنے دیا تو یہ خلوص ہے۔ میدانِ احد میں ایک صحابیؓ شدید زخمی ہوئے۔ ساتھیوں نے سنبھالا تو انہوں نے کہا میرے پاس وقت تھوڑا ہے مجھے اٹھا کر حضور ﷺ کے سامنے لے جاؤ اور مجھے لِٹا کر میرا رخسار حضور ﷺ کے پاؤں مبارک پر رکھ دو۔ انہوں نے جب ایسا کیا تو وہ واصل بحق ہو گئے۔ اتنی ہی زندگی تھی اب یہ اس میں کیا ہے؟ مِلا کیا ؟ یعنی زندگی تو جا رہی ہے، انہوں نے یہ نہیں کہا کہ نبی ﷺ سے کہو کہ میری موت ٹل جائے، مجھے زندگی اور مل جائے، میرے زخم بھر جائیں۔ یہ ساری بات کہی تو جا سکتی تھی۔ اُسی میدان میں ایک صحابیؓ کو تلوار کی ضرب لگی اور پوری آنکھ ہڈی سمیت کٹ کر باہر آ گئی۔ حضور ﷺ کی خدمت میں پیش ہوئے تو آپ ﷺ نے آنکھ پکڑ کر پیچھے لگا دی، ٹھیک ہو گئی۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میری تو تلوار بھی ٹوٹ گئی ہے۔ وہاں ایک کھجور کی ٹہنی پڑی تھی، حضور ﷺ نے اٹھا کر اُسے تھمائی، وہ ہاتھ میں لی تو تلوار بن گئی اور وہ اُحد میں بھی

لڑے۔ وہ اُن کے خاندان میں بھی رہی لیکن وہ پھر اللہ کریم نے اُن سے لے لی، وہ اُن سے جاتی رہی۔ تو وہ یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ یارسول اللہ ﷺ، میری زندگی کے لیے دُعا کریں۔ کوئی غرض نہیں تھی صرف یہ تھی کہ آپ ﷺ پر قربان ہو جاؤں۔ رشتوں میں خلوص کی بہت کمی آگئی ہے۔ باپ اور بیٹے میں خلوص نہیں رہا۔ ہم کہتے ہیں بڑی محبت ہے بیٹوں سے، ہم بیٹوں کو پالتے ہیں لیکن جب وہ جوان ہوتے ہیں، کمائی کر کے نہ لائیں تو محبت کہاں جاتی ہے، ہم گھر سے نکال دیتے ہیں۔ محبت نہیں وہ غرض تھی، ایک امید تھی وہ پوری نہیں ہوتی تو محبت کوئی نہیں رہتی۔ یہی حال میاں بیوی میں، بڑی محبت ہے، بڑی محبت ہے لیکن ایک ٹکے کا کہیں نقصان ہو جائے تو نہ بیوی برداشت کرتی ہے نہ خاوند، تو محبت کونسی؟ ذرا سا دکھ آجائے تو ہر کوئی اپنا بیگانہ ہو جاتا ہے۔ جہاں ساتھ رہنے کے لیے ساتھ ہو، دکھ سُکھ کی شرط اس میں نہ ہو وہ خلوص ہے۔ وہ آپ کا کسی بہن بھائی سے ہے، والدین سے ہے، گھر سے ہے، آپ کا تعلق اپنے نبی ﷺ سے ہے۔

کل المرشد پروگرام ریکارڈ ہو رہا تھا تو اس میں بات ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ ایک نعت ریکارڈ کرا دیجئے۔ ایک نعت پچھلی دفعہ پڑھی تھی، وہ لوگوں کو بہت پسند آئی تو ایک اور نعت ریکارڈ کرا دیجئے۔ میں نے کہا کہ بھئی! پہلی بات تو یہ ہے کہ نعت ہے کیا؟ اس پر بات کریں، نفس نعت کیا ہے؟ اللہ کریم کی تعریف کی جائے تو اسے حمد کہتے ہیں۔ اگر نبی ﷺ کی تعریف کی جائے تو اُسے نعت کہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ اپنی نعتوں کا ذخیرہ اٹھا کر دیکھ لیں، اس میں نبی ﷺ کی تعریف کم ہے اور اپنی اغراض کی بات زیادہ ہے۔ مجھے یہ مل جائے وہ مل جائے، میرے دُکھ دور ہو جائیں۔

بھر دو جھولی میری یا محمدؐ
میں نہ جاؤں گا ہاتھ خالی

یہ کونسی نعت ہے؟ اس میں کون سی تعریف کا پہلو ہے کہ آپ اپنی غرضیں بیان کر رہے ہیں۔ کوئی ایسی نعت تلاش کرو جس میں صرف حضور ﷺ کی تعریف کی گئی ہو۔ وہ کہنے لگے ایسی تو نعت نہیں ملے گی۔ میرا ایک چھوٹا سا مجموعہ نعت ہے۔ اس میں سے میں نے اُسے ایک نعت سنائی، ریکارڈ کی۔ میں نے کہا کہ اس میں حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضری کی بات ہے، اس میں کیفیات کی بات ہے۔ وہاں کیا کیفیت ہوتی ہے۔ آپ ﷺ کی برکات کی بات ہے، اس میں کوئی ذاتی بات نہیں ہے۔ یہ نعت ہوتی ہے۔

ہمارے ہاں خلوص کی کمی ہے یعنی اپنی اغراض پوری کرنے کے لیے رشتے ہیں۔ حتیٰ کہ ہمارا رشتہ اللہ اور نبی ﷺ سے بھی اپنی غرضوں کے لیے ہے۔ ہم نے ہر چیز اللہ سے مانگنی ہے لیکن یہ شرط تو نہیں ہے کہ میں بیمار ہوں تو میں شرط لگا دوں اگر میں ٹھیک ہو جاؤں تو میں اللہ کا ذکر کروں گا اور بیماری رہی تو نہیں کروں گا۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ یہ تو کوئی تعلق نہ ہوا۔ بیماری سے میں بھی روز شفا مانگتا ہوں لیکن یہ مشروط نہیں ہے۔ مانگنا تو اُسی سے ہے جو وہ دیتا ہے وہ بہتر ہے۔ انسان کو یہ پتا نہیں ہوتا کہ یہ بیماری شائد اُس بیماری سے کمتر ہے جو میرے گناہوں کی سزا ہے۔ ہو سکتا ہے اس سے کوئی بڑی بیماری لگ جاتی۔ اگر یہ ہے تو شائد یہ اس سے کم ہو جتنی غلطیاں مجھ سے ہوئی ہیں۔ خلوص ایک کیفیت ہے کہ تعلق میں کھرا پن ہو۔ تعلق، تعلق کے لیے ہو کسی اور غرض کے لیے نہ ہو۔ اُس کیفیت کو خلوص کہتے ہیں اور کیفیات لکھی پڑھی نہیں جا سکتیں۔ خلوص دل کی گہرائی میں ایک کیفیت ہوتی ہے اور ایک رشتہ قائم ہو جاتا ہے جس میں کوئی غرض یا نفع نقصان کی شرط نہیں ہوتی۔ اور وہ رشتہ بجائے خود ایک مضبوط طاقت بن جاتا ہے، وہ خلوص ہوتا ہے۔ اور جہاں شرطیں آجائیں کہ یہ کام ہو جائے، وہ کام ہو جائے، جائز نہیں۔ پھر وہاں خلوص نہیں رہتا، پھر وہاں غرضیں آجاتی ہیں۔ آج کل تو صرف نام ہی رہ گیا ہے، کیفیات بہت کم ہو گئی ہیں۔ بہت کم لوگوں کو نصیب ہیں۔ اللہ کریم تمام مسلمانوں کو عطا فرمائیں۔ اللہ، اللہ کرنے سے، اللہ کو یاد کرنے سے، اللہ کا ذکر کرنے سے دل کی صفائی ہوتی ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد عالی ہے۔ لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ ہر چیز کی کوئی پالش ہوتی ہے جو اُسے صاف کرتی ہے وَصِقَالَةُ الْقُلُوْبِ ذِكْرُ اللهِ او كما قال رسول اللہ ﷺ۔ دلوں کو صاف کرنے کا علاج اللہ کا ذکر ہے۔ تو اللہ اللہ کرنے سے، دلوں کی صفائی سے مراد ہی یہ ہوتی ہے کہ رشتوں میں غرضیں نہ رہیں۔ رشتہ برائے رشتہ ہو جائے، تعلق برائے تعلق

ہو جائے۔ یہ اللہ کے رسول ﷺ سے ہو جائے تو اللہ سے رشتہ جڑ جائے اور اللہ سے جو تعلق ہو جائے اس میں خلوص آجائے۔ ہم نے لینا سب کچھ اللہ سے ہی ہے لیکن شرط نہ رہے تو خلوص ہے اور شرط ہو جائے کہ میری یہ دعا قبول ہو جائے تو خلوص نہیں ہے۔ لوگوں کو اکثر شکایت ہوتی ہے کہ جی اتنا عرصہ دعا مانگتے ہوگیا، قبول نہیں ہوئی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ہم یونہی یہاں بیٹھے تھے، دار العرفان بن رہا تھا، کچھ بنا ہوا تھا، یہ لائبریری کا حصہ بنا، پھر حضرتؒ کا کمرہ بنا، یوں یہاں اجتماع شروع ہوگیا۔ یہ جگہ درمیان سے خالی تھی، یہ پھر ساتھ ساتھ بنتی رہی۔ تو ایک ساتھی کا خط حضرت جیؒ کی خدمت میں، اس وقت خطوں کا زمانہ تھا ای میل (E.mail) کا نہیں تھا، تو اس نے لکھا تھا جو مجھے سارا یاد تو نہیں لیکن مفہوم یہ تھا کہ مجھے بڑا عرصہ ہوگیا ہے دُعا مانگتے ہوئے لیکن میری دُعا قبول نہیں ہوتی۔ تو حضرتؒ نے خط پڑھا اور مسکرائے اور خط میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے لے لیا فرمایا اِسے جواب تم دو۔ میں نے اُسے چند سطریں لکھیں کہ بھئی یہ نظام کا تو پتا نہیں، کسی کے پاس بھی حتمی تاریخ نہیں کہ کب سے چل رہا ہے اور کتنی مدت ہوگئی اس نظام کائنات کو چلتے ہوئے اور کسی کے پاس یہ بھی خبر نہیں کہ یہ کب تک چلے گا۔ کتنی صدیاں بیت گئیں اور اللہ جانے اور کتنا عرصہ اس نے چلنا ہے، تم اس دنیا میں اس چھوٹے سے عرصہ کے لیے دنیا میں آئے ہو، بلوغت سے موت تک تمہارا کتنا عرصہ ہوگا؟ تو جس ہستی نے اسے تمہارے آنے سے پہلے سنبھالے رکھا تمہارے جانے کے بعد بھی سنبھالے گی تو اسی کو سنبھالنے دو، تم مشورے کیوں دیتے ہو؟ تم بیچ میں ٹانگ کیوں اڑاتے ہو؟ چند دنوں کے لیے آئے ہو تو تم کیوں ٹانگ اڑاتے ہو۔ جیسا وہ کر رہا ہے ویسا ہونے دو۔ دعا کا مطلب تو یہ ہے کہ تم کوئی مشورہ دیتے ہو وہ مانا نہیں جاتا۔ تو دعا اللہ کریم کی بارگاہ میں حاضری کا ایک بہانہ ہے، بارگاہِ الوہیت میں بات کرنے کا ایک بہانہ ہے۔ دعا کو دعا سمجھیں اور یہ سعادت سمجھیں کہ اُس نے توفیق دی، آپ نے بات تو کرلی، آگے ہونا کیا ہے یہ وہ بہتر جانتا ہے، جو بہتر ہے وہ کرے گا، کرنا اس نے ہے۔ دعا کوئی حکم نہیں کہ آپ نے ڈکٹیٹ (Dictate) کرالیا کہ یوں یوں ہونا چاہیے اور ویسا ہوگیا۔ دعا درخواست ہوتی ہے اور ضروری نہیں کہ جس بارگاہ میں درخواست کی جائے اس کے مطابق ہو جائے۔ کبھی اس کے مطابق بھی ہو جاتا ہے لیکن وہ شائد ہمارے کہنے سے تو نہیں ہوتا۔ ہوتا اس کی مرضی سے ہی ہے۔ اتفاقاً ہماری درخواست اس سے مل جاتی ہے ہم سمجھتے ہیں کہ میرے کہنے سے ہوگیا۔ ہمارے کہنے سے کیا ہوگیا، ہماری حیثیت کیا ہے اس کائنات میں، کتنا حصہ ہم اس کا، کتنی دیر کے لیے ہم آئے ہیں؟ تو خلوص یہ ہے کہ یہ شرائط ساتھ نہ ہوں، خلوص یہ ہے کہ وہ دعا کرے تو اسے دعا کرنے میں مزہ آجائے کہ اللہ سے بات تو کرلی۔ اب ہوگا کیا، یہ اس کی مرضی۔ تو یہ ایک کیفیت ہوتی ہے جو بلا غرض صاف ستھری اور خالص ہوتی ہے اور دائمی ہوتی ہے پھر وہ ہمیشہ رہتی ہے۔

سوال: اللہ شہ رگ سے قریب کیسے ہے وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ۝ (ق:16) شہ رگ تو بدن کی مرکزی رگ ہوتی ہے۔ اس سے قریب تر کیسے ہے؟ اور جب اللہ شہ رگ سے قریب ہے تو پھر کسی بزرگ کے پاس جانے کی اور اللہ اللہ سیکھنے کی کیا ضرورت ہے؟

جواب: یہ ایک کیفیت ہے قربِ الٰہی کی، کیفیات زبانی تو نہیں بتائی جاسکتیں نہ لکھی جاسکتی ہیں۔ واضع نے کوئی لفظ وضع نہیں کیا کہ وہ کیفیت کا اظہار کرے۔ کیفیت محسوس کی جاسکتی ہے لیکن آپ کو جواب عرض کر دیتا ہوں کہ آج کی سائنس کہتی ہے کہ انسان کے جسم میں دس کھرب سیل ہیں۔ بدن چھوٹے قد کا ہے تو سیل (Cell) چھوٹے ہیں، بڑے قد کا ہے تو سیل بڑے ہیں۔ سائنس کا یہ فیصلہ ہے کہ ہر وجود میں دس کھرب سیل ہیں۔ ان میں سے کوئی سیل چھ مہینے سے زیادہ زندہ نہیں رہتا یعنی دس کھرب موتیں چھ مہینے کے اندر اندر انسانی بدن میں ہو جاتی ہیں اور مرنے والا سیل مرنے سے پہلے دوسرا اپنے جیسا سیل پیدا کر دیتا ہے۔ خود مر جاتا ہے تو یہ تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ آگے ضرب تقسیم آپ کر لیں کہ اگر ہر چھ مہینے میں دس کھرب سیل مرتے ہیں تو مہینے میں کتنے، ہفتے میں کتنے اور دنوں میں کتنے، گھنٹے میں کتنے اور منٹ میں کتنے؟ اور ایک سیکنڈ میں سولہ ہزار سیل آتے ہیں، یعنی اس بدن میں ایک سیکنڈ میں سولہ ہزار اموات ہو جاتی ہیں اور اتنی ہی پیدائش ہو جاتی ہے، نئی بن جاتی ہے۔ اب سارا وجود ان سیلوں سے ہی ترتیب دیا گیا ہے، ناخنوں

سے لے کر سر کے بالوں تک اور آنکھ کے ڈھیلے سے لے کر پاؤں تک، دل سے لے کر جگر تک ہر چیز، ہر عضو جس میں شہ رگ بھی آ جاتی ہے وہ بھی انہیں سیلوں سے بنی ہے۔ اب جو ہستی وہ سیل پیدا کر رہی ہے اُن سیلوں سے بھی رگِ حیات تعمیر کر رہی ہے، ان سیلوں سے خون بنا کر اس میں چلا رہی ہے کیا وہ اس رگ سے قریب نہیں لگتی؟ ایک تو ہے کہ اللہ کا حکم ہے اس نے کہہ دیا ہم نے مان لیا، بات ختم ہوگئی۔ وہ تو بات تعلق اور رشتے کا ہے۔ حساب کے ذریعے بھی یہ حل ہو جاتا ہے کہ جو ہستی وہ باریک باریک سیل بنا رہی ہے ان میں زندگی پیدا کر رہی ہے، دوسرے کو موت دے رہی ہے، اُن سیلوں کو جوڑ کر رگِ حیات بنا رہی ہے ان سیلوں کو جوڑ کر خون بنا کر چلا رہی ہے کیا وہ رگِ حیات سے قریب تر نہیں ہے؟ اب اسی سوال کا دوسرا رخ جو پوچھا گیا کہ جب اللہ شہ رگ سے قریب ہے تو پھر کسی بزرگ کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے؟ بات تو ٹھیک ہے۔ اللہ تو کافر کی بھی شہ رگ سے قریب ہے پھر اُسے نبیؐ کی کیا ضرورت؟ نبیؐ کی خدمت میں اللہ کو تلاش کرنے نہیں جاتے کہ (معاذ اللہ) اللہ گم ہو گیا ہے کہ تلاش کریں، دل کو آئینہ بنانے جاتے ہیں کہ اللہ تو ہے، مجھے بھی خبر ہو سکے کہ اللہ ہے۔ ایک ہے ایک چیز کا ہونا، یہ مائیک ہے، یہ یہاں پڑا ہے یہ یہاں ہے، اب اگر خدانخواستہ میری نظر نہ ہو، آنکھیں نہ ہوں تو میں تو پوچھوں گا کہ بھئی مائیک ہے؟ یا میں بول کر دیکھوں گا یا ٹٹولوں گا۔ اللہ تو ہر وقت ہر جگہ موجود ہے، ہماری شہ رگ سے قریب تر ہے لیکن ہمیں کیسے محسوس ہو کہ وہ ہے۔ ہم جو اندھے بھی ہیں، ہم میں جس بھی کوئی نہیں، ٹٹول بھی نہیں سکتے، آواز بھی کوئی نہیں تو پہلے زندگی چاہیے، وہ ہے نورِ ایمان جو نبیؐ سے ملتا ہے۔ اس میں ہماری محنت کیا ہے؟ یہی کہ ہم اللہ اللہ کر کے دل کو صاف کریں تو ہمارا دل بھی محسوس کر سکے کہ اللہ ہے۔ بزرگوں کے پاس اس لیے نہیں جاتے کہ انہوں نے وہاں اللہ کریم بٹھا رکھا ہے۔ جب جاتے ہیں تو ملاقات ہو جاتی ہے۔ وہاں نہ جائیں تو جہاں ہم ہیں وہاں تو اللہ ہے کوئی نہیں۔ ایسا نہیں ہوتا، اللہ ہر شہ رگ سے قریب تر ہے۔ اللہ کافر کی شہ رگ سے بھی قریب ہے۔ اور اللہ کا قریب ہونا اور بات ہے اور اللہ کو قریب محسوس کرنا الگ بات ہے۔ اب سورج نکلا ہوا ہے۔ سورج کا ہونا اور بات ہے۔ سورج کی روشنی سے استفادہ حاصل کرنے کے لیے آنکھیں چاہئیں۔ آنکھیں نہیں ہوں گی تو سورج نکلے یا ڈوب جائے اسے کیا فرق پڑتا ہے۔ گرمی لگے گی سورج سے، اُسے نظر تو کچھ نہیں آئے گا تو یہ آنکھ بنانے کے لیے بندہ نبیؐ کی خدمت میں جاتا ہے اور نورِ ایمان سے قلب کو آنکھ اور نظر ملتی ہے اور اسی نعمت کی تلاش میں بزرگوں کے پاس یا مشائخ کے پاس جاتا ہے۔ وہاں جا کر نگاہ بن جاتی ہے، دل کی آنکھ کھل جاتی ہے۔

رہی یہ بات کل یہ بھی سوال تھا کہ اگر شہ رگ سے قریب ہے تو ہم اُسے دیکھتے کیوں نہیں؟ یہ عالمِ آب وگل جو ہے یہ ذاتِ باری کی ذاتی تجلی کو برداشت کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ نہ آسمانوں میں طاقت ہے نہ زمین میں۔ موسیٰؑ نے عرض کی، بارِ الٰہا! اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡکَ ؕ (الاعراف:143) طور پر حاضر ہوتا ہوں آپ کے کلام سے مستفید ہوتا ہوں، آپ سے باتیں کرتا ہوں، آپ ارشاد فرماتے ہیں، میں سنتا ہوں، میں عرض کرتا ہوں، آپ کا جواب سنتا ہوں، اب دل چاہتا ہے کہ یہ پردہ ہٹ جائے۔ رَبِّ اَرِنِیۡۤ اللہ مجھے اپنا آپ، اپنی ذات دکھا دے، اَنۡظُرۡ اِلَیۡکَ ؕ میں آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ ایک محبت، ایک عشق، ایک جنون ہو گیا ہے۔ اب درمیان میں یہ پردہ مجھے تکلیف دے رہا ہے، اب میں آپ کو روبرو دیکھنا چاہتا ہوں، اولوالعزم رسولؑ، یہ مراتب ہیں انبیاءؑ میں سب سے اعلیٰ اولوالعزم ہیں۔ آدم علیہ السلام، نوحؑ ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ یہ سب اولوالعزم ہیں۔ نبی کریم ﷺ ان کے بھی امام ہیں تو اگر کم وبیش سوا لاکھ کے قریب انبیاءؑ ہیں، پانچ یا چھ اولوالعزم ہیں تو اس کا مطلب ہے بہت بڑا مرتبہ ہے اور اُن اولوالعزم میں موسیٰؑ بھی ہیں۔ فرمایا، یا اللہ آپ کا بڑا کرم ہے۔ ذاتی طور پر آپ کا کلام نصیب ہوتا ہے۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ کلامِ باری موسیٰؑ کانوں سے نہیں سنتے تھے، جب اللہ کریم کلام فرماتے ہیں تو بدن کا ہر ذرہ، ہر سیل (Cell) کان بن جاتا ہے وہ ہر سیل سے سنتے تھے، ذوق پیدا ہوا، ذوقِ زیارت نے جوش مارا اور عرض کی، قرآنِ کریم میں موجود ہے، رَبِّ اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡکَ ؕ یا اللہ، ہٹا دے پردہ، مجھے اپنا دیدار کرنے دے، مجھے اپنے جمال سے نواز، ارشاد ہوا! موسیٰ لَنۡ تَرٰىنِیۡ تم مجھے نہیں دیکھ سکو گے، تم جس عالم میں ہو، جس مقام میں ہو یہ عالم فانی دنیا ہے۔

یہ مٹ جانے والی ہے میرا جمال ابدی ہے، ایک مٹ جانے والی چیز ایک ابدی چیز کو کیسے سمو سکتی ہے؟ ایک فانی، ایک باقی کو کیسے سمو سکتا ہے؟ یہ نہیں کہ کوئی موسیٰ میں کمی تھی، ان زمین و آسمانوں میں وہ طاقت ہی نہیں کہ جمالِ باری کو برداشت کر سکیں، وہ باقی ہے، ابدی ہے ازلی ہے، یہ فانی ہے، فانی باقی کو کیسے سمو سکے گا؟ فرمایا، لَنْ تَرٰىنِیْ بہرحال آپ نے آرزو کی ہم نے بتا دیا لیکن اگر آپ تماشا کرنا چاہتے ہیں تو درمیانی وادی کو چھوڑ دو، سامنے جو پہاڑی ہے اس کو دیکھیں، وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ اس پہاڑ کو دیکھیں فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ (الاعراف:143) اللہ نے اپنی ذاتی تجلی کا کوئی ذرہ، کوئی چھوٹی سی کرن اُس پہاڑ پر ڈالی جَعَلَهٗ دَكًّا اس کے پرخچے اڑ گئے۔ بھئی فانی تھا باقی کو کیسے برداشت کرتا، مٹنے والا تھا نہ مٹنے والے کو کیسے سمو لیتا؟ وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ موسیٰ بیہوش ہو کر گر گئے۔

میں نے عرض کیا کہ اس عالم میں ممکن نہیں ہے کہ آپ اللہ کو دیکھ سکیں۔ ہاں قلبِ مومن کو یہ توفیق دی ہے کہ وہ بن دیکھے بھی دیکھتا ہے۔ اُسے نظر کچھ نہ آئے لیکن اس کا یقین نظر آنے سے زیادہ ہوتا ہے اور گھبرائیں نہیں یہ وقت بھی آ رہا ہے۔ یہ فانی جہاں جب مٹ جائے گا، اگلی دنیا جو باقی رہنے والی ہے اس میں خلود ہے نہ مٹنے کے لیے، وہاں جو بندہ نجات پا جائے گا اس کے وجود کو اس کے اعضاء و جوارح کو، اس کی نگاہوں کو بھی ہیشگی اور خلود مل جائے گا۔ فرمایا: فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ (ق:22) فرمایا تمہاری نگاہوں سے پردے ہٹا دیے اور تمہاری نگاہیں فولادی ہو گئیں۔ پھر وہاں مومن اللہ کی ذات کا دیدار کرے گا۔ نبی ﷺ سے عرض کی گئی کہ ہم اللہ کو دیکھ سکیں گے؟ فرمایا: جس طرح چاند کو دیکھتے ہو یعنی بالکل واضح، روبرو دیکھو گے اس لیے کہ وہ عالم باقی ہے وہاں وہ طاقت جو اعضاء و جوارح کو دی جائے گی وہ باقی ہوگی اور یہ طاقت کافر کی آنکھ کو بھی مل جائے گی لیکن بطور سزا وہ اللہ کو نہیں دیکھ سکے گا کیونکہ دنیا میں اللہ کو اس نے بن دیکھے مانا نہیں۔ مومن نے محسوس کر لیا لیکن اُس کا دل تاریک رہا اس کے دل نے محسوس بھی نہیں کیا کہ اللہ ہے۔ لہٰذا اس جرم کی سزا میں وہ دیدارِ باری سے محروم رہے گا، باقی ساری چیزیں کافر بھی دیکھیں گے۔

قرآنِ کریم فرماتا ہے ایک جنتی جنت میں کہے گا یار بڑے مزے ہیں، یہاں تو مجھے شناسا لوگ نظر آ رہے ہیں۔ ایک دوست ہوتا تھا یا میرا ایک پڑوسی ہوتا تھا وہ مجھے کہتا تھا تم فضول نمازیں پڑھتے رہتے ہو اور فضول ذکر اذکار کرتے رہتے ہو، یہ سب کچھ، کچھ نہیں ہے، پتا نہیں وہ کہاں گیا؟ تو ارشاد ہوگا کہ دیکھنا چاہتے ہو؟ تو دیکھو، وہ جھانکے گا فاطلع .... جھانک کر دیکھے گا تو اُسے جہنم میں پائے گا اور اس سے بات کرے گا، دیکھیں! اہل جنت کو دوزخ ہی نہیں دوزخی بھی نظر آ رہے ہیں۔ وہ جن کو دنیا میں جانتے تھے وہ اُن کو پہچانیں گے اور بات بھی کریں گے وہاں سے وہاں جس طرح آپ یہاں سے موبائل سے دنیا میں بات کر لیتے ہیں، وہ وہاں بغیر کسی موبائل کے وہ بات کریں گے تو وہ سن رہے ہوں گے کہ بھئی تُو تو مجھے کہتا تھا یہ سب غلط ہے اور جھوٹ ہے اور چھوڑ دو، اب سناؤ؟ وہ کہے گا ان باتوں کو چھوڑو تم عیش کر رہے ہو، اب وہ دوزخی بھی جنت کو دیکھ رہے ہیں اور ان کی آواز بھی جنت میں جا رہی ہے۔ جنتی اس لیے دوزخ کو دیکھیں گے کہ انہیں احساس ہو کہ اللہ نے انہیں اس سے بچایا ہے اور دوزخی جنت کو اس لیے دیکھیں گے کہ انہیں حسرت ہوگی کہ یہ لوگ کیا مزے کر رہے ہیں اور ہم کس مصیبت میں پڑ گئے ہیں، تو کہے گا: اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۚ (سورہ الاعراف:50) کوئی پانی کا گھونٹ، کچھ کھانے کو تمہارے پاس تو نعمتوں کے ڈھیر لگے ہیں، کچھ تو دے دو۔ وہ کہے گا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (الاعراف:50) کافروں پر اللہ نے انہیں منع کر دیا ہے۔ تمہیں نہیں مل سکتیں، تمہیں یہ دنیا میں خریدنی چاہیے تھیں، وہاں سے استعداد پانا چاہیے تھی، وہاں ایمان لانا چاہیے تھا وہاں نیکی کرنی چاہیے تھی۔ اب وہ خرید و فروخت کا وقت گزر گیا۔ اب جنہوں نے خریدیں وہ کھا رہے ہیں، تم نے نہیں خریدیں اب بیٹھو، بھگتو۔ تو گویا برزخ میں یا آخرت میں وہ عالم آخرت ہے، برزخ سے آگے وہ آخرت ہے، دائمی عالم ہے، ہیشگی ہے خلود ہے اُس میں۔ تو وہاں اعضاء و جوارح اور نگاہیں بھی وہ ہو جائیں گی جو ہمیشہ رہیں گی خلود ہوگا۔ یہاں تو آنکھ رہتی ہے اور نگاہ کم ہو جاتی ہے۔ میں نے بھی تو عینک

لگائی ہوتی ہے، کیوں لگائی ہوئی ہے؟ نگاہ کم ہوگئی۔ کبھی چلتے چلتے بند ہوگئی، اچھے بھلے دیکھتے بندے نابینا ہوجاتے ہیں۔ وہاں نہ عینک کی ضرورت پڑے گی نہ نگاہ کم ہوگی نہ بند ہوگی، جس کو آنکھ ملے گی ہمیشہ کے لیے روشن آنکھ ہوگی۔ اب عظمتِ الٰہی کو جس نے اس دنیا میں نہیں دیکھا وہاں دیدارِ باری سے محروم کردیا جائے گا اور یہ اس کے اپنے کردار کی جزا ہے۔

سوال کرنے والے برخوردار گھبراؤ نہیں، اللہ شہ رگ سے قریب بھی ہے اور نظر بھی آجائے گا، فکر آنکھوں کی کرو جب اس کا جمال ہویدا ہوگا تو تمہاری نگاہیں سلامت ہوں۔ وہ جس نے پوچھا تھا کہ پھر وہ نظر کیوں نہیں آتا تو پھر میں نے اُسے یہ جواب دیا کہ نظر تو چیزیں آتی بھی ہیں، نہیں بھی آتیں۔ دنیوی اعتبار سے دیکھ لو آپ ملازمت کرتے ہو کہ میری ملازمت ہے۔ یہ جسے ملازمت کہتے ہیں اُسے کبھی آپ نے دیکھا، نظر تو کوئی نہیں آتا؟ دلیل ہے کہ میں فوج میں ہوں، میں نے فوجی وردی پہنی ہوئی ہے، یہ میرا کارڈ ہے، مجھے تنخواہ دیتے ہیں، مجھے ٹریننگ ملتی ہے، میں فوج میں ہوں۔ میری ملازمت سول میں ہے، میں وہاں حاضری دیتا ہوں، مجھے کام ملتا ہے۔ یہ تو سارے دلائل ہیں کہ میری ملازمت ہے لیکن وہ جو ملازمت ہے وہ نظر آتی ہے؟ تو اس ملازمت کو آپ نے دلائل سے مانا ہوا ہے تو یہ پتا پتا ڈالی ڈالی، اس کی کاریگری، اس کی صنعت، اس کی عظمت اس کے گواہ ہیں۔ اتنے دلائل سے اللہ کو نہیں مان سکتے؟ یہ سورج کا طلوع وغروب، یہ روشنیاں یہ تاریکیاں، یہ بارشیں یہ برساتیں، یہ گرمی یہ سارا نظام یہ کون چلا رہا ہے؟ چند سکے تنخواہ اور ڈیوٹی سے ملازمت کو مان لیا، نظر تو نہیں آتی۔ ملازمت دلائل سے مانتے ہو تو اتنے بھرے دلائل سے اللہ کو نہیں مان سکتے؟ تو ملازمت تو کبھی نظر بھی نہیں آئے گی اللہ تو نظر آئے گا۔ اس کے لیے اپنی نگاہیں بنا رکھو۔ اس کے لیے اپنے دل کو صاف کرو، دامنِ نبوت کو تھامو۔ جو راستہ ہے اللہ کو دیکھنے کا وہ راستہ اختیار کرو۔ جہاں جلوۂ باری ہونا ہے اس طرف تو جاؤ، کہیں دوسری طرف نہ چلتے رہو۔ الٹی سمت نہ چلتے رہو۔ تو دیکھنے کا شوق بھی پورا ہوجائے گا اور جن صاحب کا یہ سوال ہے کہ اہل اللہ کے پاس جانے کی ضرورت کیا ہے؟ اہل اللہ کوئی اللہ کو پکڑ کر نہیں لے آتے۔ اہل اللہ دل کو صاف کرتے ہیں کہ اللہ کو محسوس کرنے کی استطاعت اس میں آجائے۔ اُسے محسوس (Feel) ہونے لگے کہ اللہ ہے اور میرے پاس ہے اور میری ذات سے زیادہ میرے قریب ہے، تو یہ جو ایک جملہ بن گیا ہے کہ جی ہم اللہ کو تلاش کررہے ہیں، یہ جملہ ہے ہی جاہلانہ، اللہ کہیں گما ہوا ہے کہ تلاش کررہے ہو؟ جملہ یہ ہونا چاہیے کہ ہم اپنی استعداد بنا رہے ہیں کہ جمالِ باری کو ہم محسوس کرسکیں، دیکھ نہیں سکیں تو محسوس تو کرسکیں۔ ذاتِ باری تو ہر جگہ موجود ہے۔ اب کافر کا محاسبہ اتنا سخت کیوں ہوگا؟ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ میں تیرے ایک ایک سیل کو، وجود کو ترتیب دیتا رہا اور تجھے زندگی اور اُس کی نعمتیں اور لذتیں دیتا رہا تو نے اتنا بھی نہیں کیا کہ میری عظمت کا قائل ہوجائے کہ اللہ ہے۔ تو نے میرا انکار ہی کیے رکھا۔ میں تو تیرا ایک ایک سیل بنا رہا تھا اور تُو میرے ہونے کا ہی انکار کررہا تھا۔ کمال ہے۔ تو نے تو حد کردی، یہی تو کفر ہے اور جب نعمتیں وہ دیتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ تو فلاں بت نے دیں فلاں بزرگ نے دیں، فلاں وجہ سے میں نے اپنے کمال سے حاصل کیں، یہی تو شرک ہے ناں۔ ایک ایک سیل کو ترتیب دے رہا ہے اور تمہاری نعمتوں کے اسباب بھی بنا رہا ہے اور اُن پر نعمتیں مرتب بھی کر رہا ہے۔ اس کا انکار کر کے کہتے ہو نہیں فلاں نے دیں تو پھر وہ پوچھے گا تو سہی کہ دے تو میں رہا ہوں۔ تو کیا کوئی سمجھ آتی ہے کہ شرک اور کفر کتنا جرم بنتا ہے؟ اس طرح سے بنتا ہے۔ تو اچھی بات ہے اس طرح کے سوالات کریں۔ انسانی ذہن ہے بھٹکتا رہتا ہے، اس میں سوالات آتے ہیں اور سوال پوچھ لینے چاہئیں۔ سوالوں پر کوئی ناراض نہیں ہوتا سوال جیسا بھی ہو۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ سوال از خود ہوتا ہی جہالت ہے، بندہ نہیں جانتا ہے تو پوچھتا ہے ناں، تو نہ جاننا ہی جہالت ہے۔ سوال جہالت ہوتا ہے اُسے اطمینان سے صبر سے سنا جائے اور جواب علم ہوتا ہے اور علم لڑائی نہیں ہوتا۔ علم ہوتا ہے کہ اس کا علمی جواب دے کر بندے کو مطمئن کیا جائے تو اس طرح کے سوالات ہمارے دلوں میں پلتے رہتے ہیں اور ہم پوچھنے سے بھی ڈرتے رہتے ہیں۔ اب بغیر پوچھے تو یہ حل ہونے سے رہے۔ تو کوئی حرج نہیں سوال جیسا بھی ہو ضرور پوچھیں۔ اللہ کریم نے توفیق دی، اللہ کریم نے جو سمجھا دیا، جو علم اللہ نے دیا ہے اس کے مطابق جواب عرض کرتے رہیں گے۔

23 جولائی 2014ء

لیلۃ القدر

الشیخ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَیْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝ سَلٰمٌ ۛ هِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝

تخلیق ارض وسماء کے بعد بہت بڑی عظیم نعمت، ایک بہت بڑا کام نزولِ قرآنِ کریم ہے۔ اللہ کی ہر کتاب متبرک ہے، معزز ہے۔ جتنی کتابیں نازل ہوئیں وہ برحق ہیں۔ اُن میں جو کچھ نازل ہوا وہ حق تھا اور اپنے اپنے وقت میں ان پر عمل فرض تھا۔ آج بھی ہمارے لیے اُن کو برحق ماننا فرض ہے، ایمان کا حصہ ہے لیکن عمل قرآن کریم پر ہوگا۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جو نزول سے لے کر ہمیشہ تک کے لیے محفوظ کر دی گئی۔ اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ کریم نے لے لیا ہے۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں رائی برابر شک کی گنجائش نہیں۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس نے عام آدمی کو اللہ کریم سے ہم سخن کر دیا، بات کرنے کا موقع دے دیا۔ جب آپ صلوٰۃ ادا کرتے ہیں تو آپ اللہ کریم کی خدمت میں اپنی گذارشات پیش کرتے ہیں۔ جب آپ قرآنِ کریم کھولتے ہیں تو اللہ کریم آپ سے بات کر رہے ہوتے ہیں۔ جب آپ تلاوت کرتے ہیں تو اللہ کریم بندے سے بات کر رہے ہوتے ہیں۔ اُسے زندگی کے پیچ وخم آخرت، دنیا، صحیح، غلط یہ ساری باتیں بتاتے ہیں۔ پھر یہ واحد کتاب ہے جس کا ہمیشہ کے لیے حفاظت کا ذمہ اللہ نے لیا ہے۔ جس رات میں اُسے نازل کیا گیا وہ رات سال کی ساری راتوں سے افضل قرار پائی اور اُس کا خاص اہتمام فرمایا گیا۔ رمضان شریف کی رات تھی۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ (البقرہ: 185)

رمضان کا مہینہ وہ بزرگ و برتر مہینہ ہے جس میں قرآن کا نزول ہوا پھر فرمایا: اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ۝ ---ہم نے اسے لیلۃ القدر میں نازل فرمایا، اس کا مطلب ہے کہ لیلۃ القدر رمضان میں ہے۔ اب لیلۃ القدر کا اتنا اہتمام کیا گیا فرمایا: وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ ۝--- اے مخاطب تجھے کیا خبر لیلۃ القدر کیا ہے؟ لَیْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ--- یہ ایک رات ہزار مہینے سے زیادہ فضیلت رکھتی ہے یعنی کوئی ہزار مہینہ نہ کھائے نہ پیے، نہ سوئے نہ کہیں رفع حاجت کے لیے جائے، ہمہ وقت ایک ہزار مہینہ کوئی چوراسی (84) کے قریب سال بنتے ہیں، صرف ذکر میں اور عبادت میں اور صلوٰۃ میں رہے اور اللہ کی یاد میں کھڑا رہے تو یہ ایک رات اُس سے بھی افضل ہے۔ قدر کا معانی اندازہ، تقدیر جسے کہتے ہیں تو فرمایا گیا اس میں اگلی لیلۃ القدر تک کے لوگوں کے ساتھ کیا سلوک ہوگا، کسی کو کیا رزق ملے گا، کس کی موت ہے، کس کی زندگی ہے، کسے بیمار ہونا ہے، کسے صحتمند ہونا ہے، جتنے فیصلے دنیا میں نافذ کیے جاتے ہیں، کب بادل برسے گا، ہوا کس سمت سے چلے گی، سورج کتنی گرمی دے گا، کتنی نہیں دے گا، سردی کتنی ہوگی، دنیا کا یہ پورا انظام اور لوگوں کے اعمال اور اُن کے فیصلے، ایک سال تک کے لیے جو فرشتے امور پر مقرر ہیں عطا فرما دیے جاتے ہیں۔ قرآنِ کریم میں سورۂ دخان میں بھی اس لیلۃ مبارکہ کا ذکر آتا ہے اور اُسے شاید شعبان میں منایا جاتا ہے اور بڑے دھوم دھام سے اور دھماکے اور آج کل تو جشن اور تماشا ہوتا ہے۔ تو سارے متقدمین علماء اس پر متفق ہیں کہ وہ بات بھی لیلۃ القدر کی ہے اور اِسی کی بات ہے۔ مجھے حیرت اُس وقت ہوتی ہے جب بڑے بڑے عالم یہ بات بتا کر کہ جناب سب علمائے متقدمین نے کہا کہ یہ بھی

لیلۃ القدر ہے پھر آگے شب براءت کی فضیلت بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں، دو دو گھنٹے کی تقریر کر کے اسے شب براءت سے منسوب کرتے ہیں۔

اسلام میں دو عیدیں ہیں اور رمضان میں ایک لیلۃ القدر ہے۔ لہٰذا عیدوں پر اللہ کی بڑائی، اللہ کا شکر ادا کرنا ہے اور خوشی منانا ہے اور لیلۃ القدر عبادت اور حصولِ برکات کے لیے ہے۔ فرمایا، اس کی خصوصیت یہ ہے تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۔۔۔ اللہ کی رحمت تقسیم کرنے والے فرشتے زمین پر نازل ہوتے ہیں اور جو بھی اللہ اللہ کر رہا ہوتا ہے اس کے لیے دعا بھی کرتے ہیں اور برکات بھی لاتے ہیں۔ وَالرُّوْحُ ۔۔۔ بعض حضرات نے روح سے مراد روح الامین لیا ہے کہ جبرائیل امین فرشتوں کی سرداری کرتے ہوئے زمین پر تشریف لاتے ہیں لیکن اکثر نے لکھا ہے کہ روح سے مراد ارواح ہیں۔ مسلمانوں کی نجات یافتہ ارواح دنیا پر آتی ہیں۔ اپنوں کو، اپنے گھروں کو، اپنے عزیز و اقارب کو، اپنے ملنے جلنے والوں کو دیکھتی ہیں، کس حال میں ہم نے چھوڑے تھے، یہ کس حال میں ہیں، نیکی کر رہے ہیں تو وہ نجات والے ہیں ان کے آنے سے انہیں مزید تقویت، نیکی ملتی ہے، برکات ملتی ہیں۔ نیکی چھوڑ چکے ہیں تو پھر افسوس کر کے چلے جاتے ہیں بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ ۔۔۔ اللہ کریم کی اجازت سے اور اس کے حکم سے یہ سب ہوتا ہے۔ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝ سَلٰمٌ ۛ ۔۔۔ یہ رات ہر پہلو سے سلامتی کی رات ہے۔ اب اس سے مراد یہ ہے کہ جو سلامتی چاہتا ہے اور سلامتی کی آرزو کرتا ہے اُسے دروازے پر مل جاتی ہے، نصیب ہو جاتی ہے۔ یہ نہیں کہ بندہ اُس رات بھی برائی میں مگن ہو اُسے سلامتی ملے گی۔ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝ ۔۔۔ یہ طلوعِ فجر تک رحمت ہے، وہ کیفیت طلوعِ فجر کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔

لیلۃ القدر کونسی رات ہے؟ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ آخری عشرے کی طاق راتوں میں اِسے تلاش کرو۔ اکیس بھی ہو سکتی ہے، تئیس بھی ہو سکتی ہے، پچیس بھی ہو سکتی ہے، ستائیس بھی ہو سکتی ہے، اُنتیس بھی ہو سکتی ہے۔ یہ بھی مقرر کر دیا گیا ہے کہ ستائیس رمضان کو لیلۃ القدر منانی ہے، اس کی کوئی دلیل نہیں، اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ ارشاد یہ ہے کہ رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ تلاش کرنے سے مراد یہ ہے کہ یکسو ہو کر اللہ کی عبادت کرو، ذکر کرو۔ یہ نہیں کہ ڈھول بجاؤ اور گلیوں میں پٹاخے چلاؤ اور جشن بنا دو۔ اب تو ہر چیز کا جشن بنا دیا گیا ہے بلکہ اگلے دن میں ٹی وی پر دیکھ رہا تھا، پروگرام چل رہا تھا جشن رمضان، جشن نزول قرآن، ہر چیز کو جشن بنا دیا گیا ہے، اللہ ہمیں معاف فرمائے اور ہدایت دے۔ تو یہ رات، فرمایا تلاش کرو آخری عشرے کی طاق راتوں میں، عجیب اتفاق ہے کہ اس رمضان میں اس عشرے میں آنے والی رات جو ہے یہ جمعہ کی رات ہے، رمضان المبارک کے آخری عشرے میں جمعے کی رات بھی ہے جس میں دو فضیلتیں تو ویسے جمع ہو گئیں کہ رمضان المبارک کے آخری عشرے کی رات ہے اس لیے فضیلت ہے، پھر ہر جمعے کی رات کی اپنی فضیلت ہوتی ہے اور پھر رمضان مبارک کا جمعہ اور اُس کی رات صاحب کشف لوگ جو ہیں وہ بتاتے ہیں کہ جمعرات کو برزخ میں مشائخ سے بات نہیں ہو سکتی۔ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ کیوں نہیں ہو سکتی؟ تو فرمایا کہ جمعرات کی رات سوائے ذکر کے نہ کسی کی سنتے ہیں نہ کسی سے بولتے ہیں یعنی ہفتے میں یہ جو ایک رات ہے اس میں اہلِ برزخ بھی نہ کوئی بات سنتے ہیں نہ جواب دیتے ہیں، مسلسل متوجہ الی اللہ رہتے ہیں۔ ویسے تو ہر وقت رہتے ہیں، مومن کو رہنا چاہئے، برزخ میں اہلِ نجات کا اور کوئی کام ہی نہیں ہے، یہاں تو ہمارے ایمان میں جتنی طاقت ہے، جتنا حضور ﷺ پر اعتماد ہے اتنا عمل کرتے ہیں۔ وہاں تو ہر چیز سامنے آ جائے گی، تو ہر جمعرات کی فضیلت ہے، پھر رمضان مبارک کی رات کی اور فضیلت ہے، پھر رمضان مبارک کی طاق رات کی، تو اس میں تین فضیلتیں جمع ہو گئیں کہ جمعہ کی رات بھی ہے۔

اسلام میں دن مغرب سے شروع ہوتا ہے اور اگلی مغرب تک رہتا ہے۔ یہ مغرب کی اذان جو ہے یہ دن کی پہلی اذان ہوتی ہے اسی لیے اذان سے پہلے سورج ڈوب جاتا ہے تو روزہ افطار ہو جاتا ہے اور تھوڑی دیر میں مشرق سے جب سیاہی سوا نیزے اوپر آ جاتی ہے تو مغرب ہو جاتی ہے اُس وقت تاریخ بدل جاتی ہے۔ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ (البقرہ: 187) روزے کو رات تک پورا کرو، رات میں داخل نہیں کرنا۔ رات تک جب سورج ڈوب گیا روزہ افطار ہو گیا، اُس کے پانچ چھ منٹ بعد مغرب کی اذان ہوتی ہے، مغرب کی اذان اگلے دن کی ابتداء ہے تو یہ اگلے دن کی ابتداء بھی ہے۔ (بقیہ صفحہ نمبر 49 پر)

بچوں کا صفحہ

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف

ع خان، لاہور

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف اُن آٹھ خوش نصیب صحابہ کرامؓ میں سے ایک ہیں جنہوں نے نبیٔ اکرم ﷺ کے اعلانِ نبوت کے چند روز بعد ہی اسلام قبول فرمالیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اسلام قبول کرنے کے دو روز بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے بھی اسلام قبول کرلیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کا تعلق ان دس صحابۂ کرامؓ سے ہے جو عشرہ مبشرہ کہلائے۔ عشرہ مبشرہ وہ دس صحابۂ کرامؓ ہیں جن کے بارے میں نبیٔ اکرم ﷺ نے دنیا ہی میں جہنم سے نجات کی خوشی خبری دی۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف اپنے وقت کے اُن چند بڑے علماء صحابہؓ میں سے تھے، جنہیں حضور اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں فتویٰ دینے کی اجازت تھی۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے آپؓ کا نام عبدِعمرو تھا۔ جب آپؓ نے اسلام قبول کیا تو حضور اکرم ﷺ نے آپؓ کا نام عبدالرحمٰن (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) رکھا۔ آپ عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے نام سے مشہور ہوئے۔ کفار نے تیرہ (13) سال مسلمانوں پر بے حد ظلم وستم کیے، خاص طور پر اعلانِ نبوت کے بعد کے چند سال تو کفار ظلم کرنے میں ہر حد سے گزر گئے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف اُن تمام صحابۂ کرامؓ میں شامل تھے جنہوں نے بے حد صبر وتحمل کے ساتھ وہ سارے مظالم سہے جن کے بارے میں سننا بھی آسان نہیں ہے، لیکن حق وصداقت کے راستے پہ ثابت قدم رہے۔ کفار کے ظلم وتشدد جب ختم ہونے ہی میں نہ آرہے تھے تو آخر مسلمانوں کو اپنا دین اور جانیں بچانے کے لیے ہجرت کی اجازت عطا ہوئی۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف بھی اُن صفِ اوّل کے مسلمانوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنے دین کی حفاظت کے لیے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ نبیٔ اکرم ﷺ کے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف بھی بہت سے دوسرے مہاجر صحابہ کرامؓ کے ساتھ دیوانہ وار ہجرت فرما کر مدینہ منورہ چلے آئے۔ مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد نبیٔ اکرم ﷺ نے سب سے پہلے مہاجر اور انصار صحابۂ کرامؓ کے درمیان بھائی چارے کی بنیاد ڈالی۔ ہر انصاری (مدینہ منورہ کے رہائشی مسلمان) کے ساتھ ایک مہاجر صحابیؓ کو بھائی بنادیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو حضرت سعدؓ بن ربیع کا بھائی بنادیا گیا۔ اس بھائی چارے کے بعد حضرت سعدؓ بن ربیع نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے کہا کہ بھائی! میں اہلِ مدینہ میں سب سے زیادہ مالدار ہوں۔ میرے دو باغ ہیں۔ آپؓ جو باغ چاہیں لے لیں۔ اس پر حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپؓ کے اہل وعیال اور مال میں برکت دیں، آپؓ مجھے یہاں کی منڈی کا پتہ بتادیں۔ میں محنت کر کے کماؤں گا۔ پتہ معلوم کر کے آپؓ منڈی پہنچے اور اپنا چھوٹا سا کاروبار شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو اس کاروبار میں اتنی برکت عطا کی کہ کچھ ہی عرصہ میں حضرت عبدالرحمٰنؓ خوشحال ہوگئے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے شادی کی تو نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ولیمہ کرو، خواہ ایک بکری ذبح کرو۔ اللہ تعالیٰ آپؓ کے مال ودولت میں برکت عطا فرمائیں۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف ہر جہاد میں بڑھ چڑھ کر اپنی جان و مال کے ساتھ شامل ہوئے۔ غزوۂ اُحد میں نبیٔ اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کو پہاڑ کی گھاٹی پر مقرر فرمایا کہ یہاں سے کسی حال میں نہیں ہٹنا جب تک کہ میں ایسا کرنے کا کہہ نہ دوں۔ گھاٹی پر مامور جماعت میں حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف بھی تھے۔ جہاد کے

دوران ایک وقت ایسا آیا کہ گھاٹی پر مامور دستے کو ایسا لگا کہ مسلمان جیت چکے ہیں اور اب ہمیں نیچے اترنے میں کوئی حرج نہیں، اس وقت حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے باقیوں کو روکا کہ جب تک نبیٔ اکرم ﷺ خود نہ فرمادیں ہم نیچے نہیں اتریں گے۔ لیکن اس وقت غلط اندازہ لگانے کی غلطی میں سوائے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور چند دوسرے صحابۂ کرامؓ کے باقی سارا دستہ نیچے اتر آیا۔ اِدھر بھاگتے ہوئے دشمن نے پلٹ کر گھاٹی کو دیکھا تو اسے تقریباً خالی پا کر وہاں سے دوبارہ حملہ کر دیا۔ اس غزوہ میں حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو بیس سے زائد زخم آئے، چند زخم اس قدر گہرے تھے کہ اُن میں پورا ہاتھ چلا جاتا تھا۔ آپؓ نے اپنے چند دوسرے صحابۂ کرامؓ کے ساتھ جو وہاں موجود تھے، دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اتنے میں باقی مسلمان بھی مدد کو پہنچ گئے اور دشمن کو پسپا ہو کر وہاں سے بھاگنا پڑا۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف ہر غزوہ میں اپنی جان و مال کے ساتھ پیش پیش رہے۔ غزوۂ تبوک میں باقی تمام صحابۂ کرامؓ کے ساتھ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنے گھر کا آدھا سامان لا کر حضور اکرم ﷺ کے قدموں میں ڈال دیا۔ اس غزوہ میں لشکر روانہ ہوا تو نماز کا وقت ہو گیا۔ حضور اکرم ﷺ ابھی تشریف نہیں لائے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے امامت کے فرائض انجام دیتے ہوئے نماز شروع کروائی۔ ابھی پہلی رکعت مکمل نہیں ہوئی تھی کہ حضور اکرم ﷺ تشریف لے آئے اور جماعت میں شامل ہو گئے۔ یہ اعزاز اس سے پہلے اور کسی صحابیؓ کے حصے نہ آیا تھا۔

حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے ازواجِ مطہراتؓ کے گھریلو اخراجات کا بے حد خیال رکھا۔ جب بھی انہیں کسی سفر پر جانا ہوتا تو آپؓ خدمت کے لیے سواری کے ساتھ خود بھی رہتے۔ آپؓ کی زندگی میں ازواجِ مطہراتؓ میں سے کوئی حج کا ارادہ فرماتیں تو آپؓ سواری کا انتظام کرتے، ہودج پر سبز رنگ کا عمدہ کپڑا ڈلواتے، دورانِ سفر جہاں وہ پڑاؤ کرنا پسند فرماتیں آپؓ وہیں پڑاؤ کا فوری بندوبست فرمادیتے۔ امہات المومنینؓ کو بھی آپؓ پر بہت اعتماد تھا جس کے لیے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف اللہ تعالیٰ کا ہر دم شکر ادا کرتے تھے، بلاشبہ یہ بہت بڑا شرف تھا جو حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو حاصل تھا۔ ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے اپنی ایک زمین چالیس ہزار درہم میں فروخت کی اور تقریباً یہ ساری رقم ازواج مطہرات کو پیش کر دی اور حضور اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ کے خاندان بنی زہرہ میں تقسیم کر دی۔ باقی ماندہ رقم اہلِ اسلام کے فقراء اور مساکین میں بانٹ دی۔

ایک دفعہ آپؓ کا سات سو اونٹوں پر مشتمل قافلہ مدینہ منورہ میں داخل ہوا۔ سب اونٹ مالِ تجارت سے لدے ہوئے تھے۔ شور اور زمین میں تھرتھراہٹ محسوس کر کے حضرت عائشہؓ نے وجہ پوچھی تو آپؓ کو بتایا گیا کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کا سات سو اونٹوں پر مشتمل تجارتی قافلہ آیا ہے۔ یہ سن کر حضرت عائشہؓ بہت خوش ہوئیں اور انہوں نے دعا فرمائی کہ الٰہی! جو کچھ تو نے اُنہیں دنیا میں دیا ہے اس میں برکت عطا فرما اور آخرت میں اس سے بڑھ کر اجر و ثواب سے نوازنا۔ پھر فرمایا کہ میں نے رسول اقدس ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے: ''عبدالرحمٰنؓ بن عوف جنت میں خوشی سے اچھلتے ہوئے داخل ہوں گے۔''

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو بھی اس خوش خبری کی اطلاع جلد ہی پہنچ گئی، آپؓ کی اس بشارت پر خوشی کی انتہا نہ رہی۔ فوراً حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کی، ''اماں جان! کیا آپؓ نے میرے لیے جنت کی بشارت کے کلمات حضور اقدس ﷺ کی زبان مبارک سے خود سنے تھے۔ جواب اثبات میں سن کر آپؓ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے اسی لمحہ سات سو اونٹوں کو تمام ساز و سامان سمیت اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے دیا۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف جنت کی بشارت سننے کے بعد اور بھی فراخدلی اور دونوں ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے لگے۔ آپؓ مجاہدین اسلام پر بھی بھرپور خرچ فرماتے اور ان کے لیے تربیت یافتہ جنگی گھوڑے منگوانے کا بھی اہتمام فرماتے۔

وفات سے چند روز پہلے تمام غلام آزاد کر دیئے۔ وصیت میں اپنی جائیداد کا بڑا حصہ بدری صحابہ کرامؓ اور امہات المومنینؓ کو پیش کر دیا۔ آپؓ کی نمازِ جنازہ حضرت عثمان غنیؓ نے پڑھائی۔

مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۵

حافظہ آمنہ، لاہور

اسلام علیکم! آج میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں کہ میں سلسلہ عالیہ میں آنے سے پہلے کیسی تھی اور سلسلہ میں شامل ہونے کے بعد مجھ میں کیا تبدیلی آئی۔

میں نے 2014ء میں اپنی تعلیم M.Sc مکمل کرنے کے بعد 23 سال کی عمر میں ذکر شروع کیا تھا۔ الحمدللہ! مجھے ذکر سے روشناس کرانے والا میرا بھائی تھا۔ وہ خود بھی ذکر کیا کرتا تھا اور ہم سب گھر والوں کو ذکر کروایا کرتا تھا۔ میں نے کچھ مہینے ہی ذکر کیا اور پھر اللہ نے اپنے بہت ہی محبوب بندے سے ملا دیا۔ الحمدللہ! ان کا نام ہے حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی۔ میں نے 2015ء میں ان سے ظاہری بیعت کر کے سلسلہ عالیہ میں باقاعدہ شمولیت اختیار کی۔ سلسلہ میں آنے کے بعد مجھے ایسا لگا جیسے میں مردہ انسان تھی اور اللہ کے ذکر نے اور حضرت جی مدظلہ العالی کی توجہ نے مجھے بدل دیا۔ مجھے لگا کہ میں پیدا ہی اب ہوئی ہوں اور اب اللہ کی محبت پانے کی کوشش کرنی ہے۔ میری سوچ ہی بدل گئی۔ اگرچہ میں ایم ایس سی کر کے بہت پڑھ لکھ گئی تھی لیکن ساری زندگی اقبال کے اس شعر کی سمجھ نہ آئی تھی کہ۔

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

حضرت جی کی صحبت سے فیضیاب ہونے کے بعد سمجھ آئی کہ ایسے بدلتا ہے دل اور ایسے بدل جاتی ہیں تقدیریں۔ اللہ نے اتنی توجہ نصیب کی کہ پھر 2016ء کے سالانہ اجتماع میں میرے مراقبات ثلاثہ ہوئے۔ الحمدللہ! اللہ کریم کا جتنا شکر ادا کیا جائے اتنا کم ہے۔ مجھے اب حضرت شیخ المکرم مدظلہ العالی کی عظمت کی سمجھ آئی کہ وہ اللہ کی مخلوق سے کتنی محبت کرتے ہیں، وہ بھی بغیر کسی معاوضے کے۔ وہ صرف اور صرف دے رہے ہیں۔ میں نے اپنی زندگی میں، اب تک کے 26 سالوں میں حضرت مدظلہ العالی جیسا بہترین انسان نہیں دیکھا کیونکہ مجھے جتنی محبت اپنے شیخ المکرم سے ملی ہے ایسی بے لوث محبت کوئی نہیں دے سکتا۔ نہ کوئی ماں باپ، نہ کوئی شوہر، نہ کوئی بہن بھائی کیونکہ اس محبت نے مجھے اللہ سے ملا دیا۔ مجھے برکاتِ نبوت صلی اللہ وعلیہ وسلم نصیب ہوگئیں۔ الحمدللہ! اور دل سے محسوس ہوتا ہے کہ اللہ ہیں۔ ورنہ پہلے تو ایسا محسوس نہیں ہوتا تھا۔ میں دعاگو ہوں ہر مرد و عورت کے لیے کہ اللہ کریم ان کو ذکر قلبی نصیب فرمائیں، ان برکات نبوت کی جھلک وہ محسوس کریں کہ ان کے بغیر انسان، انسان نہیں ہے، ایک ناکارہ چیز ہے اور حضرت جی کی صحبت سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔ اور اللہ کریم میری یہ نسبت اویسیہ تا قیامت قائم رکھیں، مجھے بہترین امتی ﷺ بنا دیں اور حضرت شیخ المکرم کی بہترین شاگردہ اور اپنی بہترین بندی بنا لیں۔ آمین۔

میں قرآن کی حافظہ بھی ہوں لیکن ذکر سے پہلے نہ میری نمازیں پوری تھیں نہ قرآن پاک کی دہرائی پہ توجہ زیادہ تھی۔ ٹی وی پر انگلش ڈرامے میں رات کے 4 بجے تک دیکھتی رہتی تھی اور کہنے کو میں حافظہ تھی۔ لیکن جب سے ذکر قلبی شروع کیا، نمازیں اپنے آپ پوری ہوگئیں ٹی وی ڈرامے اپنے آپ چھوٹ گئے، پتہ ہی نہیں چلا الحمدللہ! میں بیعت کو پسند نہیں کرتی تھی لیکن ذکر میں آنے کے بعد نہ صرف بیعت کی بلکہ خواہش ہے کہ میری مزید اصلاح ہو جائے۔ یہ سب اس خدا کا کرم ہے کہ مجھ ناقابل کو ایسی بہترین ہستی سے ملا دیا جن کی اک نگاہ سے بندے کا دل اور تقدیر بدل جاتی ہے اور یہ سب کچھ مجھے بیعت ہونے کے بعد سمجھ آیا کہ مرشد ہونا کتنا ضروری ہے اور اب تو یہ سوچ آتی ہے کہ۔

مرشد بن دل خالی\
مرشد بن زندگی خالی

اور میں نے دارالعرفان جیسی کوئی جگہ ایسی نہیں دیکھی جس کی

اینٹ اینٹ ذکر کرتی ہے۔ جہاں ایسی بہترین تربیت ہو سکے، روحانی لحاظ سے بھی اور دنیوی اعتبار سے بھی۔ یہاں تک کہ ماں باپ بھی ایسی بہترین تربیت نہیں دے سکتے جو حضرت مدظلہ العالی کر رہے ہیں۔ وہاں کا کھانا جو ذاکرین کے ہاتھ سے بنتا ہے، جس سے کینسر جیسے مریضوں کو شفا نصیب ہوتی ہے کیونکہ وہ بہترین حلال اور طیب کھانا ہے، پورا اسلام کے مطابق اور ویسا ہی جیسے حضور صلی اللہ وعلیہ وسلم نے تعلیم فرمایا۔ اللہ کریم مجھے استقامت عطا فرمائیں اور میرے شیخ المکرم کو اور ان کے اہل وعیال کو صحت وتندرستی سے نوازنے کے ساتھ ساتھ ہمارے سروں پہ ان کا سایہ ہمیشہ قائم رکھیں۔ آمین۔

دعائے مغفرت

1۔ لاہور سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی شرافت علی اعوان

2۔ کوئٹہ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی خالق داد کی والدہ محترمہ

3۔ کوئٹہ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی گل محمد کے والد محترم

4۔ باغ، آزاد کشمیر سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی اسرار احمد عباس کی والدہ محترمہ

5۔ ٹنڈو اللہ یار سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی ماجد حبیب کے والد محترم

6۔ اٹک سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی ساجد محمود کی والدہ محترمہ

وفات پا گئے ہیں ساتھیوں سے دعا کی اپیل ہے۔

بقیہ صفحہ نمبر 45 سے آگے

میں شاید اس پر زیادہ بات کرتا لیکن یہ چھوٹے چھوٹے سوالوں نے جن کا کوئی حاصل نہیں ہے وقت لے لیا۔ یہاں جو آ گے مجھ سے سوال کرتے ہیں اپنے کام کے بارے، اذکار کے بارے، مراقبات کے بارے، تصوف کے بارے ذکر کی ضرورت کے بارے ہوں، یہ فقہی مسائل علماء تشریف رکھتے ہیں یہ سب جانتے ہیں، ان سے پوچھ لیں۔ اعتکاف کا تو مطلب ہی یہ ہے کہ دین کی ہی باتیں ہوں کوئی دنیا کی بات نہ ہو۔ تو یہ باتیں پوچھنی چاہئیں، جنہیں نہیں خبر تو ضرور پوچھا کریں۔ تو اس نے میرا وقت تو لے لیا تو مزے کرو، اتنی تقریر رہ گئی۔ میرا یہ سارا عرض کرنے کا مطلب یہ تھا کہ ہو سکتا ہے اتنی فضیلت والی رات ہے شاید اس میں اللہ لیلۃ القدر کو بھی جمع فرمادے۔ یہ یقینی نہیں ہے لیکن ہو سکتا ہے اتنی فضیلتیں اس میں آ گئیں جمعہ کی رات بھی ہے، تو ہو سکتا ہے اسی میں لیلۃ القدر بھی ہو۔ لیلۃ القدر کے لیے ضروری نہیں ہے کہ کسی کو مشاہدے مختلف ہوں، مشاہدہ ہو یا نہ ہو برکات نصیب ہو جاتی ہیں۔ تو سارا حاصلِ کلام یہ ہے کہ آج کی رات ذرا محنت کر کے گزار دیجئے، ہو سکتا ہے اللہ کرے کہ لیلۃ القدر ہو مگر اُس کا انتظار تو ہر طاق رات کو کیا جا سکتا ہے۔

Siqarah The Learning Hub International (SALHI)

A sister concern under Siqarah School System

Admissions Open Now
Play group,
Pre-Kindergarten(Nursery),
Kindergarten (Prep).
Cell: 0300-4245232

Offering American Education System

Opening Soon at
Dar-ul-Irfan, Munara
(Khushab Road, Dist Chakwal)

صقارہ گرلز سائنس اینڈ کامرس کالج

F.sc(pre.med)	B.sc
Ics	F.sc(pre.eng)
F.A(IT)	I.com
	F.A

1۔ سائنس اور آرٹس تمام کورسز میں داخلہ جاری ہے۔
2۔ آغاز F.sc کلاسز یکم اپریل 2017۔
3۔ آغاز B.sc کلاسز 15 جولائی 2017۔

ادارے کی نمایاں خصوصیات	ہاسٹل کی نمایاں خصوصیات
۞ تدریس بزریعہ لیکچر سسٹم اور ملٹی میڈیا	۞ طالبات کے لیے خصوصی طور پر باجماعت نماز کا اہتمام
۞ سٹوڈنٹس کے لیے Seminars اور Presentation کا انعقاد	۞ ہاسٹل طالبات کی بہترین دینی، دنیوی اور اخلاقی تربیت کا انتظام
۞ M.Sc اور M.Fhil تجربہ کار اساتذہ	۞ طالبات کے لیے کالج کے بعد ایکسٹرا کوچنگ کلاسز
۞ پریکٹیکلز کی تیاری سلیبس کے ساتھ ساتھ	۞ طالبات کے لیے غیر نصابی سرگرمیوں کا انعقاد
۞ E.Cat اور M.Cat کے ٹیسٹ کی تیاری کی سہولت	۞ طالبات کے لیے احادیث اور تصوف کی خصوصی کلاسز
۞ جدید سامان سے آراستہ کمپیوٹر لیب اور سائنس لیب	۞ طالبات کے مکمل تحفظ کے لیے دن رات سیکورٹی گارڈ
۞ بورڈ کے امتحانات اور پروفیشنل ڈگری کی منظم اور بھرپور تیاری	۞ جنریٹر اور گیزر کی سہولت
۞ انتہائی مناسب فیس کے ساتھ اعلیٰ معیار تعلیم	۞ طالبات مڈل تا B.Sc ہاسٹل میں داخلہ لے سکتی ہیں

صقارہ گرلز سائنس اینڈ کامرس کالج، دارالعرفان، منارہ، ضلع چکوال

فون نمبر: 0543-562200، موبائل نمبر: 0332-8384222

طب

روزہ کے انسانی وجود پر اثرات

حکیم عبدالماجد اعوان (سرگودھا)

رمضان کریم میں روزہ رکھنے سے جہاں روح کو تقویت ملتی ہے، عبادات کی طرف رغبت نصیب ہوتی ہے، بندے کا اپنے رب سے تعلق مضبوط ہوتا ہے وہاں اس کا جسم پر بھی بہت مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ چند سال قبل تک تو یہی سمجھا جاتا تھا کہ روزے کا طبی فائدہ صرف یہی ہے کہ نظام ہضم کو کچھ آرام مل جائے مگر جدید تحقیق کے مطابق روزہ ایک طبی معجزہ ہے۔ اور ایک ایسی سچائی ہے جو رب العالمین نے اپنے ذاتی کلام قرآن حکیم میں بیان فرمادی ہے۔ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تم پر روزے فرض کر دیئے گئے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیز گار بن سکو۔ یہ گنتی کے دن ہیں پھر اگر تم میں کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرلے اور جو لوگ اسکی طاقت نہیں رکھتے ہیں۔ وہ فدیہ دے دیں جو ایک فقیر کا کھانا ہے پھر جو خوشی سے نیکی کرے تو وہ اسکے لیے بہتر ہے اور اگر تم روزہ رکھو تو تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔ (سورۃ البقرہ آیت 182 تا 184)

سورۃ بقرہ کی ان آیات مبارکہ میں دین کے ایک اہم رکن روزے کے متعلق حکم دیا گیا۔ ان آیات کا آخری حصہ قابل غور ہے کہ روزہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔

اس بہتری سے جہاں مراد ایک اخروی اور روحانی فائدہ ہے۔ وہاں انسانی وجود پر بھی اسکے مثبت اثرات ہوتے ہیں۔

روزے کی حالت میں جب جسم غذا سے محروم ہوتا ہے تو یہ توانائی حاصل کرنے کے لیے جسم میں موجود چربی کو استعمال کرنا شروع کر دیتا ہے جس سے وزن کم ہو جاتا ہے۔ لیکن آپ اگر طویل عرصے تک فاقہ کشی کریں تو جسم توانائی کے حصول کے لیے عضلات میں موجود پروٹین کو بھی استعمال کرنے پر مجبور ہو جائے گا جو کہ صحت کے لیے نقصان دہ ہوگا۔

انسان کا نظام انہضام کئی اعضاء پر مشتمل ہے اہم جسمانی اعضاء جیسے منہ، اور جبڑے میں لعابی غدود، زبان، گلا، خوراک کی نالی، معدہ آنت، جگر اور لبلبہ اسی نظام کے حصے ہیں یہ سب پیچیدہ اعضاء خود بخود ایک نظام کے تحت عمل کرتے ہیں جیسے ہی ہم کچھ کھانا شروع کریں یا کھانے کا ارادہ کریں تو یہ پورا نظام حرکت میں آجاتا ہے اور یہ عضو اپنا مخصوص کام کرنے لگتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے یہ سارا نظام ہر وقت کام کرنے کی وجہ سے اعصابی دباؤ اور ناقص خوراک کھانے سے آہستہ آہستہ کمزور ہو جاتا ہے۔ روزہ ایک طرح سے اس سارے نظام کو روزانہ چند گھنٹے آرام دیتا ہے اور اعضاء کا اس طرح کا آرام جگر کے فعل کے لیے انتہائی مفید ہے۔ انسانی معدہ، روزے کے جو بھی اثرات قبول کرے وہ بے حد مفید ہیں۔ روزہ معدہ کی امراض میں مبتلا افراد کے لیے بہت مفید ہے۔ تیزابیت معدہ ختم ہو جاتی ہے۔ کیمبرج یونیورسٹی ہسپتال برطانیہ کے سینئر ڈاکٹر رزین ماہ روف کی ریسرچ کے مطابق روزہ رکھنے سے جسم میں چربی کی مقدار کم ہونے سے جہاں وزن میں کمی آتی ہے وہاں پر ذیابیطس بھی کنٹرول میں رہتا ہے اور بلڈ پریشر بھی کم ہو جاتا ہے۔ چربی کے اس طرح پگھلنے سے جسم میں جمع ہونے والے فاسد مادے بھی خارج ہو جاتے ہیں۔ جب چند روز گزر جاتے ہیں تو اسکے بعد خون میں Endorphins کی وافر مقدار شامل ہو جاتی ہے جس سے جسم میں چستی پیدا ہوتی ہے اور ذہن مجموعی طور پر زیادہ بیدار ہو جاتا ہے۔ روزہ کے ان تمام فوائد کو پانے میں بہت سا کردار اس بات پر ہے کہ ہم سحر و افطار کیسے کرتے ہیں۔ اگر ہم افطار میں چٹ پٹی اشیاء، گھی میں تلی ہوئی بازار سے ناقص اشیاء کا استعمال کریں گے تو شاید روزے کے طبی فوائد حاصل کرنے کی بجائے ہم بہت سی بیماریوں کو دستک دیں گے۔

سحر و افطار میں متوازن غذا کو استعمال کریں، صحت بخش مشروبات، پھلوں وغیرہ کو اہمیت دیں۔ افطار صبر سے کریں۔ تو یقیناً اس سے ہم صحت مند رہیں گے۔ جسمانی فوائد کے ساتھ ساتھ روحانی برکات بھی نصیب ہوں گی۔ اگر جسم صحت مند ہے تو تب ہی ہم اپنی عبادات و معمولات کو احسن طریقہ سے ادا کرسکیں گے۔

will incur some worldly loss but it will not harm him eternally. It is only the Kashf of a Prophet (AS) which becomes a must for his followers, to be obeyed. If the Kashf of a saint is taken by someone as an excuse(pretext) that must be followed, then he has taken that Saint as a Prophet (AS). The main focus should be on progressing, to attain higher stations on this Path which are the milestones of the Path of Allah's Nearness. Sadly enough, I feel less attention is being paid on this and I find disciples who have not crossed, the three meditations, they had attained twelve years earlier. What went wrong with them? Why did they never feel the urge to move on? It is, because they came under the influence of the company of people, about whom Allah (SWT) has forbidden to associate with and obey.

Similarly there are disciples who had attained Spiritual Oath of Allegiance (Ruhani Bait) and Fana-fir Rasul but they have not moved farther, for years. Some are stationed on Fana-Baqa, Salik-al-Majzubi for many years but with no passion to progress further. This is not the right attitude as Allah (SWT) is commanding "*Seek Nearness*". Invest every moment in its attainment. A saying of the Prophet (SAWS) suggests, that in Jannah there shall be no regrets but the residents of Jannah will regret the moment, they had lost without pursuing Allah's Nearness. They will feel sorry that they could have strived to attain more stations of Allah's Nearness, in those moments.

It must be understood that eternal life, is a different world altogether. A person who dies on a certain milestone in this sublime Path, will enjoy a status of his own; a world of his own. However, the one who passed away with even a step higher, will enjoy a far more superior ambience. So every moment spent in this pursuit is fruitful, as it matters in the next, eternal life. So Dear Brothers! Put all your efforts in attaining higher stations of Nearness. This is obligatory. These meditations are the most superior in all supererogatory (Nafl) worship. Nafl means the profit accrued in a deal. Allah (SWT) says "*Prostrate and seek forgiveness*". This means that make your character a symbol of submission to Allah (SWT) as if you are constantly prostrating, before Him. Progress farther and attain as much Nearness as you can, as this is the Path of Exaltation.

Allah (SWT) bestows and nobody has any power to stop or alter His Blessings, as it is a Divine system. However, I feel sad when seekers continue sitting on a station, without moving farther. Hazrat Allah Yar Khan (RUA) would always say "Move on; go farther as far as you can go". This offer was unique and unheard of, in any Sufi Order. However, this announcement made by Hazrat Allah Yar Khan (RUA) echoes to date, and his beneficence is flowing. Even today, in our Order the opportunities are endless. May Allah (SWT) keep this forever but let me tell you that these matters do not remain the same, always. As time passes, the feelings are also diminished. Anyways! There is still time, make haste and put your best efforts, in this pursuit. Stay away from evilness and evil people. Focus your attention on piety, steadfastness on worshipping and on the attainment of next stations of Nearness to Allah (SWT).

May Allah (SWT) grant all of you the capacity to progress, and bless all of you with higher stations on this Path.

which there is nothing but the Divine Court. The truth is that there is no such place or point.

The real cause behind our negligence is the evil company and the friendly ties we maintain with people, who stop people from piety. They prevent us from paying attention to the sublime path of spiritual exaltation. They try to pull us towards temporal gains and concerns, advising us, how to make more money, power or authority. Such people neither seek the sublime path themselves nor let others pay attention to it. Allah (SWT) has strongly disapproved of keeping such a company or listening to such people. Quran says; *You, not obey him*. Never ever obey such a person who prevents you from piety. This indeed is a difficult thing to do.

According to the understanding granted to me by Allah (SWT) from this verse is that it all depends upon our level of conviction with which we have chosen the path of sublime exaltation. When we are weak inside then everyone tries to deter us from this path and tells us not to waste time in this pursuit. When a seeker decides to follow this path then his resolve should be so firm that all those who want to stop him may realize that this is a futile effort to try stopping him. These are the feelings inside the heart which are transmitted to another heart, without any verbal contact. You must have come across people, whom you wish to prevent from a pursuit but you give up, as you know that it is of no use. If our resolve is firm then nobody can stop or question us; if they succeed then it indicates a basic weakness in our conviction. In my case my family had a religious atmosphere but there was no sufi in our entire family. Our ancestors were mostly agriculturists or military men. Our family, by Allah's Grace, was diligent in praying and fasting, as is customary, in rural areas. The villagers as compared to urban people are more regular in worshipping. However, no one in our family knew anything about the sublime path of Tassawuf.

Allah (SWT) granted me the opportunity and capacity to join the most accomplished Sufi Master Hazrat Allah Yar Khan (RUA). It has now been over sixty years that I am in this field and to the date there are no other sufis in the extended family. Nobody has ever questioned me or stopped me from pursuing this path. Allah (SWT) knows the best, but my own assessment is that when we have a strong conviction, nobody stops us. Weakness in conviction diverts our attention to the marvels on this path rather than focusing on the Path itself. It is sad to say that there are people in the Order who learnt Zikr from Hazrat Allah Yar Khan (RUA) and after almost seventy years are still on their subtleties. They have not been regular in attending lessons and have not even thought of progressing farther on this Path, though it is obligatory. It has been commanded "*Seek Nearness*". It is also very displeasing to know that people pay more attention to Kashf (vision) than attaining meditations, the stations of Allah's Nearness. We forget the real goal and focus more on additional benefit (Kashf). Kashf (vision) is a reward from Allah (SWT) and is blessed upon every seeker, one way or the other, but it is a secondary gain. Some seekers can behold certain things but some cannot; they are blessed with Wijdaan or intuition. This is a state where a feeling is inspired inside the heart, firmly.

Quran tells us; "*And We inspired the mother of Musa (AS)*" (6:28). The words were inspired in her heart but she did not see anything. Yet she was so sure of the message that she acted upon it. She cast her baby in the river. Similarly a seeker is also blessed with such (inspirations) Wijdaan or Kashf (visions). However, Wijdaan is safer than Kashf, as in the latter there is a greater risk of misrepresentation. It has also been repeatedly told that Kashf is an excuse only for the one who has it, provided it is in line with Shariah. He must follow it. If he fails, it

NEARNESS TO ALLAH (SWT)

6, March, 2016

Translated Speech of
Hazrat Ameer Muhammad Akram Awan MZA

All human endeavors are aimed at gaining some benefit therefore a man must covet and strive for the eternal bounties of the Hereafter. The bounties of the Jannah, itself, are not the aim; it should be Allah's Nearness. The blessings of Jannah are additional benefits, which are automatically earned with Allah's Nearness. Thus it becomes clear that for a human being, from maturity till death, the aim in life should be the attainment of Allah's Nearness. He must lead a normal active life as spent by the Prophet (SAWS) himself. He has to raise a family, earn a livelihood and deal with friends and foes, as well. He also has to play his role as a citizen, on the national and international level. In short, he has to participate in all aspects of practical life but must stay within the limits defined by Allah (SWT) and His Prophet (SAWS) with sincerity. He must avoid the influence of evil people. The destination will thus be the Nearness of Allah (SWT).

In this mortal life we can also taste the evidence of Allah's Nearness; these are the feelings that can neither be explained nor read; only experienced. The entire sublime path of Tasswuf is in reality a journey to Allah's Nearness which can neither be scribed nor read but only felt. When a seeker gets his subtle heart illuminated it indicates also, his progress on the path of Allah's Nearness. As he progresses farther and illuminates more subtleties, he attains more Nearness, too. Some sufi orders have defined nine subtleties while some have taught eleven. In our exalted Order we have defined seven subtleties. Once the seeker has illuminated these, he is then blessed with a spiritual connection or "Rabata", as it is called. Henceforth he progresses to attain the Three Meditations, thus continuing his journey on the path of getting closer to Allah (SWT). After these meditations, he strives and attains the stations of Fana and Baqa. This is a proof that he has learned the basics of the Sublime Path. He can now progress to attain the stations of Salk-al-Majzobi and as far as he can strive and attain. This progress and attainment of spiritual stations is an evidence of acquiring Allah's Nearness. It testifies that the seeker is heading in the right direction; covering the distance successfully by crossing certain milestones. This is an endless journey with innumerable milestones.

It is often written, about people that they have completed their journey on the sublime path. However, this only indicates that those noble seekers could only attain that many stations, beyond which they did not know; otherwise this is a never ending path. This journey neither ends in this life nor will it end in the Hereafter. In the Hereafter the ranks will be elevated continuously and perpetual progress in the path of Nearness will be made. There is no such point where this path culminates and where one can say that Allah (SWT) is stationed there. When the people claim that they have completed the traverse on this sublime path, they are indirectly claiming that they have reached the station where they have found Allah (SWT), beyond

ecstasy. (*al-Bukhari*, vol: I, p: 241)

This shows that the "Prophet[S.A.W.] was overtaken by a state of breathlessness at the time of revelation". The origin of *Pás Anfas*, the method in which breathlessness is experienced; and the "mantle was wrapped around", is directly traceable to this Hadith. So is the meditation after *zikr*, signifying a state of expectation of Divine beneficence, a state experienced by the Prophet[S.A.W.] while waiting for Divine commandments during revelation.

Chapter XVII
KASHF AND *ILHÃM*

Means of Attaining Knowledge

Human beings attain knowledge from three sources:

- Sensory Organs
- Imagination and Intellect
- Inner Illumination

The first has its foundation on senses and observation; the second, on the principle of transition from the known to the unknown; and the third is through spiritual inspiration from the unseen. Revelation, speech, understanding, gnosis, knowledge from His Presence, observation, *kashf*, *ilhãm* and intuition are the different forms of this spiritual inspiration.

Except for the resplendent Revelation (through Jibril), all types of spiritual inspiration from the unseen are termed as *kashf* and *ilhãm*. With the passing away of the last of the Prophets, Muhammad[S.A.W], resplendent revelation came to an end; while the latter persists. (*Tabqat Ash'arani*, p: 8)

Knowledge handed down to posterity stems from the third category and its attainment is dependent upon tradition, which can be true or apocryphal. Just as there are *Ulama* who can correctly judge the veracity of tradition in *Shari'ah* and differentiate between truth and falsehood. There also exists spiritually illuminated *sûfis*, well versed in matters of *kashf* and *ilhãm*, who can distinguish between true and false inspirations. It is, however, a fact that there are too many of the former, and too few of the latter. But the lack of intuition does not nullify its existence. It is also beyond a doubt that the knowledge pertaining to *kashf* and *ilhãm* is from the Invisible source and so is the knowledge of *Shari'ah*. The difference between the two is that the latter is categorical, while the former is *Zanni*.

Absence of *Kashf* - a Tremendous Veil

The absence of *kashf* is a huge veil between the Creator and His creation. ALLAH declares:

No, but surely on that day they will be veiled from their Rabb. (83: 15)

Imam Razi asserts that it can be logically proved that the punishment of being veiled is severer than the torture of Hell Fire, as the following verse suggests:

Then lo! They will truly be burnt in Hell. (83: 16)

Take Note that veiling has been mentioned before the Hell Fire. The infidels, referred to in these two verses, even in this world were behind a veil from the Rabb. The punishment exists but they do not perceive it, because of their preoccupation with mundane affairs and deep involvement in worldly pleasures; just as a benumbed body-organ in contact with fire does not feel the pain though the effect of fire exists. The lack of feeling is due to numbness which, once removed, the torture will be felt with full severity; similar is the case of an infidel. When his spirit departs from the body, the punishment of veiling from the Rabb is felt in its full intensity. (*Tafsir-e Kabir*, vol: VI, p: 419)

Conditions for *Kashf*

There are two prerequisites for *kashf* and *ilhãm*:

1. One must be blessed with a wholesome heart because such a heart is

To Be Continued.....

Hadith - Ubay bin K'ab

The first person account of Ubay bin K'ab, a Companion, is given in *al-Mishkāt* p: 192, in the following words. He says:

"The urge to falsify Islam grew stronger in my heart. When the Prophet-S.A.W. saw me, he smote my chest with his hand which drenched me in sweat. I felt as if I was in the audience of ALLAH."

The author of *Mirqāt* comments, "The grace of the Prophet's-S.A.W. hand removed heedlessness and led to the instant attainment of observation and perception of Divinity."

Notes:

Ø The very object of *Tawajjuh* is to ward off neglect and intensify the light of *Iman*.

Ø The incident of Ubay bin K'ab shows that *Tawajjuh* leads to intrinsic manifestation.

Ø Years of personal toil and endeavour cannot achieve what a single *Tawajjuh* of the Sheikh can give.

Ø The stages of the Path cannot be covered through private endeavour without the *Tawajjuh* of a Sheikh, as it is a process of inspiration and reflection.

Ø To benefit from *Tawajjuh* it is imperative that the heart should have the capacity to absorb and assimilate. The heart of Abu Talib, The Holy Prophet's-S.A.W. uncle, was devoid of this capacity which accounts for his deprivation.

The distinctive feature of Tasawuf and the Path is the attainment of particular stations in the spiritual pilgrimage (***Fatãwa-e Shami***, vol: IV, p: 239) which, in turn, depends on the *Tawajjuh* of an accomplished Sheikh. This should not be mistaken as an innovation on my part; its origin can be traced back to Hadith, for example:

·***Fatah al-Bari***, (vol: I, p: 89): This Hadith (Hadith-e Jibril) is prominent among the fundamentals of Faith and is one of the basics of Islamic sources. It is a sacred trust of the saints, a cherished goal of the seekers of the Path, a treasure for the enlightened and a code of conduct for the righteous. As a rule, erudite *Ulama* advise a seeker to keep company with the righteous; this will generate their respect and regard, thereby protecting him from evil influences and sinful tendencies.

·***Tuhfa tul-Qari***, (vol: I, p: 21) [A manifest proof of *Tawajjuh*]: "So Jibril got a firm hold of me and wrapped me in his embrace." The externalists argue that it was a sort of caution to draw the attention of the Prophet-S.A.W. for the purpose of accepting revelation. But the enlightened *Ulama* contend that this embrace was an internal beneficence and facilitated domination of Angelic attributes over human qualities. The first embrace was meant to drive out mundane impulses of the heart; the second, to free it for revelation; and the third, to generate affection. Thus the Book and the *Sunnah* prove the origin of spiritual influence practised by the *sûfis*. The Command to the Angels, "*I am with you. Hold the believers steadfast*", meant support through inspiration and spiritual influence.

In our Order, the beginner is given *Tawajjuh* three times, strictly in accordance wit the aforesaid Hadith. The first restores his spirit to its true form; the second drives out ominous influences; and the third illuminates the heart. This enables him to embark upon the spiritual pilgrimage, where success is not conceivable without the *Tawajjuh* of an accomplished Sheikh.

So ALLAH sent His revelation to the Prophet-S.A.W. who wrapped himself in a mantle. I requested Umar that I longed to see the Prophet-S.A.W. in the process of receiving revelation. When convinced that I was serious, he lifted a corner of the mantle. I saw the Prophet-S.A.W. in a state of breathlessness, the condition which overtakes a young camel in a state of

TAWWAJUH AND TASARRUF: SPIRITUAL ATTENTION AND INFLUENCE OF THE SHEIKH

Translation of "Dalail us Suluk" written by Hazrat Maulana Allah Yar Khan (RAU)

CHAPTER XVI

As was highlighted earlier, Islamic mysticism, for all its practical purposes, is reflective in nature. The company of a Sheikh is imperative in order to make any progress in this field. To obtain his *Tawajjuh*, and beneficence (*Faidh*), it is equally important to place absolute trust and confidence in him. *Tawajjuh*, *Tasarruf*, *Himmat* (resolution) and *Jam'a Khatir* (tranquility) are technical terms in Tasawuf; the *Qurãn* being their source:

And We supported him (Isa-A.S.) with the Holy Spirit... (2:253)

That is, the Angelic attribute predominated over the human attribute. The Prophet-S.A.W. prayed in favour of Hassãn bin Thabit, a Companion, "O ALLAH! Support him with the Holy Spirit (the Angel Jibril)."

Note: The above *Qurãnic* verse and Hadith prove inner support and influence. The inner support to Prophet-S.A.W. was manifested as a blessing of Angelic attributes and he took his abode in the celestial world. On the same analogy, the Divine support invoked by the Holy Prophet-S.A.W. definitely implied inner support. He-S.A.W. supported for *ilqa* and *ilhãm* by the Holy Spirit into the heart of Hassãn bin Thabit to enable him to versify and thereby disgrace the infidels.

Examples from the *Qurãn*

How you were enemies and he made friendship between your hearts so that you became as brothers by His grace ... (3:103)

When your Rabb inspired the Angels (saying), "I am with you. So make those who believe steadfast and firm ..." (8:12)

The point to ponder is: how did the Angels influence the believers and help them to be steadfast? Obviously, by strengthening their hearts through *ilqa* in order to help them fight the infidels with full confidence.

***Tawajjuh* and *Tasarruf* in the Light of the Prophet's-S.A.W. Conduct**

When the Prophet-S.A.W. was in the cave *Hira*, Jibril-A.S. came and said three times, "*Read*"; and twice the Prophet-S.A.W. replied, "I cannot read"; then Jibril embraced him and he-S.A.W. was able to read.

Writes Abdullah bin Abi Jamra, an illustrious *wali* and an outstanding traditionalist, in the explanation of this Hadith from al-Bukhari:

This Hadith proves that the Angel Jibril came in contact with the body of the Prophet-S.A.W—one of the means of distributing beneficence. Such a contact generates refulgence within, enabling the beneficiary to bear the burden of revelation. Therefore, the physical contact of Jibril with the Prophet-S.A.W. led to the initiation of the aforesaid spiritual state. Moreover, the Prophet-S.A.W. was enabled to hear the voice of the Angel, (which) he had never heard before. This is the method inherited by the true followers and veteran *sûfis*. (***Bahjat an-Nufus***)

Note: In our Order, a beginner is given *Tawajjuh* three times on the lines of the above Hadith. This is the method inherited by us in the chain of transmission, extending right up to the Prophet-S.A.W.

MONTHLY
Al-Murshid

JUNE 2017
Ramadan-ul-Mubarak/Shawwal 1438H

الله
رسول
محمد

عَنْ سَعْدِبْنِ وَقَاصٍ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ خَيْرُ
الذِّكْرِ الْخَفِيُّ وَخَيْرُ الرِّزْقِ مَا يَكْفِي ۔۔۔ (مسند احمد و ابن حبان)

Narrated by Sa'ad bin Waqas (RAU) that Prophet (SAWS) said: " The best remembrance (Zikr) is the hidden one (Zikr-e-Hafee) and the best livelihood is which suffices all needs.

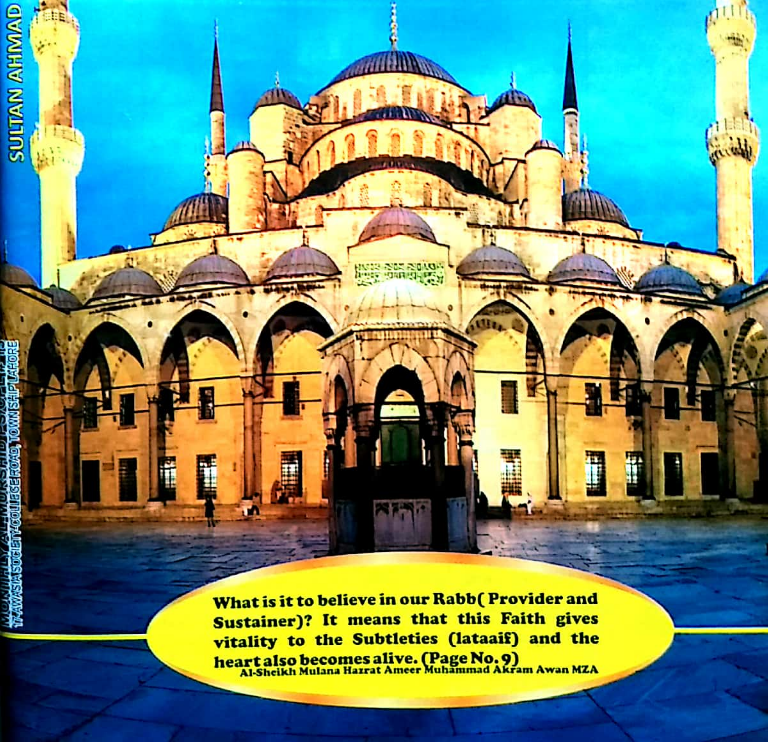

What is it to believe in our Rabb(Provider and Sustainer)? It means that this Faith gives vitality to the Subtleties (lataaif) and the heart also becomes alive. **(Page No. 9)**

Al-Sheikh Mulana Hazrat Ameer Muhammad Akram Awan MZA

MONTHLY AL-MURSHID
17-A WASIA SOCIETY COLLEGE ROAD, TOWNSHIP LAHORE

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ اپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ اپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور اپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا اپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255